روحِ نظیر

یعنی

میاں نظیر اکبرآبادی کے منتخب کلام کا مجموعہ

جس کو

بعد تصحیح و تنقیح و باضافہ دیباچہ، مقدمہ، تبصرہ، فرہنگ، حواشی، انڈکس

سیّد محمد محمود رضوی بی۔اے مخمور اکبرآبادی

نے مرتب کیا

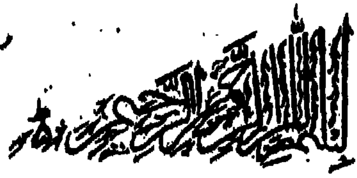
اور

رام پرشاد اینڈ برادرس کتب فروش چوک آگرہ

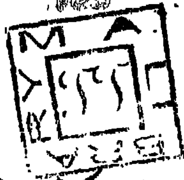


نے

باہتمام خواجہ صدیق حسین مطبع آگرہ اخبار میں چھپوا کر شائع کیا



دیباچہ



نفسیات کے محض سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان وقتاً فوقتاً مختلف کیفیات کے زیر اثر رہا کرتا ہے، کوائف ذہنی کی ماہیت پر غائر نظر ڈالنا اور اُن کی تکوین و اختلاط کی تشریح کرنا تنقید کا مبحث نہیں تاہم اس تنوع کو مدنظر رکھتے ہوئے اِس موقع پر اتنا بتا دینا لازمی معلوم ہوتا ہے کہ صفاتی اعتبار سے کیفیات کی کم از کم دو قسمیں ضرور کیجا سکتی ہیں یعنی ایک تو وہ جن کو ہم اعلیٰ کہتے ہیں اور دوسری وہ جن پر اسفل کا اطلاق کیا جاتا ہے، یہ اصول جس طرح افراد عامّہ کے لئے صحیح ہے اسی طرح شاعر پر بھی من حیث الشاعر صادق آتا ہے۔ والٹر پیٹر کا قول ہے کہ شاعر اعلیٰ اور اسفل کیفیات کا ایک مجموعہ ہوا کرتا ہے یہ تباین فی نفسہ ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے اور در حقیقت

مدارج غور و انہماک پر مبنی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہیں
کہ شاعر اپنے موضوع پر جیسی بسیط نظر ڈالتا اور اپنی تصنیف میں جس درجہ
انہماک کرتا ہے اسی حیثیت سے اس کی کیفیات ذہنی کے علو اور سفل
کے مدارج مرتب کئے جاتے ہیں لیکن اس فرق کے سمجھنے اور اس کی داد دینے کے
لئے مزاج اور نفس کی حقیقی اور قرار واقعی تربیت کی ضرورت ہے جو افراد انہماک
و انابت نفس کی وساطت سے اس تربیت کے روبرو سر نیاز خم کر دیتے ہیں
اُن میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس کے قیام کا اثر لازمی طور پر اُن میں
یہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ صنعت، تقریر، حیات، اور عوائد میں ہمیشہ
ان خصائص کو جو وہبی، وجدانی اور مترنم ہوں مصنوعی، کسبی اور جامد سے ممیز
کر لیتے ہیں۔

اِن الفاظ سے غالباً انتخاب کی غرض و غایت پر کافی روشنی پڑتی ہے
اور اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ اس تالیف کا مقصد صحیح کیا ہے اور مولف کس بات
کو خصوصاً نمایاں کرنا چاہتا ہے، مزید برآں انتخاب کے اور بھی متعدد فوائد ہیں جن کی
صراحت اس موقع پر کچھ ایسی ضروری نہیں لیکن چند باتیں اتنی اہم ہیں جن پر
کم از کم سرسری نظر ڈال لینا ناگزیر ہے یقیناً کسی عقل سلیم کے مدعی کو دنیائے
جدید کے باشندگان کے عموماً اور تعلیم یافتہ طبقہ کے خصوصاً غیر معمولی انہماک اور
کثرت مشاغل سے انکار نہیں ہو سکتا قطع نظر اس کے ملک کا موجودہ سیاسی

تلاطم اور قومی خیالات کا حیرت انگیز انقلاب ایسے بیّن واقعات ہیں جو کسی نوع نظر انداز نہیں کیے جا سکتے پس ایک کثیر جمعیت ایسے افراد کی ہے جنہیں ان وجوہ سے مطالعہ کے لئے بہت کم وقت میسر آتا ہے اس لئے ان کو اپنا عزیز و بیش قیمت وقت ایسے ادبیات پر جو مصنوعی، کسبی، اور جامد ہوں ضائع کرنا صرف ناپسند ہی نہیں بلکہ ایسا کرتے ہوئے درد محسوس کرتے ہیں لہذا اس صنف کے لوگوں کے تفنن طبع اور ورزش دماغی کے لئے صرف منتخب پھول اور چیدہ چیدہ جواہر پیش کرنا لازمی ہے ممکن ہے کوئی صاحب استفادی مطالعہ کے لئے انتخاب کی ضرورت تسلیم کرتے ہوئے یہ اصلاح پیش کریں کہ انتخاب ایسا کام ہے جو پڑھنے والے کو بطور خود کرنا چاہئے۔ یہ اعتراض اپنے مقام پر نہایت درست اور ہر حیثیت سے بہت معقول ہے، بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کا مذاق ادب فطرتاً نہایت صحیح اور مکمل ہوتا ہے، یہ لوگ جبلتاً شعر کے حسین و ہمہ گیر عناصر کی جانب منجذب ہو سکتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسی حسّاس طبیعتیں بہت کم ہیں اور ان سے بھی کم وہ لوگ ہیں جنہیں تربیت و مطالعہ مشاہدہ و تجربہ ایسے معلم ذرایع بھی فطری حسّ شعری نمایاں نہیں کر سکتے۔

لیکن یہ دونوں طبقے ہمارے مخاطب صحیح نہیں، طبقہ اول کی

سریع الاحساسی کسی بیرونی تحریک یا توجہ فرمائی کی محتاج نہیں اُدھر ہر نظر
شعر اور ہر حسن نغمہ کا حکم رکھتی ہے اور طبقۂ ثانی کا جمود ازل سے ناقابل
شکست ہے ارباب ذوق کی کوئی کوشش اِن میں رقت و ترنم کی لطیف
کیفیات برانگیختہ نہیں کر سکتی، اسلئے ہماری مساعی دونوں طبقوں کے
لئے یکساں طور پر بے معنی اور عبث ہیں، ہمارا مخاطب صحیح ایک دوسرا گروہ ہے جو
اپنی نوعیت میں اِن دونوں سے جدا ہے یہ وہ اہل مطالعہ ہیں جن میں نوجوان
مبتدیان ذوق خصوصاً بکثرت شامل ہیں یہ عجلت پسند صرف اُن خشک
و بدمزہ اجزاء سے تنگ آکر جو تقریباً ہر سخنور کے کلام میں کم و بیش پائے جاتے
ہیں اس سست تفریح کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ بیٹھتے ہیں اور پھر کبھی اِس
غریب شاعر کی جانب توجہ مبذول کرنا تو کیسا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے اور
سب سے زیادہ ستم قاتل تو یہ ہے کہ بُری رائے قائم کر کے اس کی ترویج اپنا اخلاقی
فرض قرار دے لیتے ہیں۔ اسطرح ان محاسن کا خون ہوتا ہے جنکی داد صرف
بالغ نظری سے دی جا سکتی تھی اور جس کے فقدان کا غریب شاعر کسی طرح
ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا اِس جگہ ہم یہ جتائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ بلند پایہ
مقامات جنکو سہواً یا کسی مغالطہ کے زیر اثر سرسری طور پر ٹال دیا جاتا ہے
اپنی ندرت کے اعتبار سے پڑھنے والے کی معلومات میں معتدبہ اضافہ، خیالات
میں حتم بالشان ارتفاع اور سب سے بہتر اور بالاتر مطمح نظر میں ایک وقیع اور

سود مند اصلاح تجویز کرنے کے بوجہ احسن اہل ہوتے ہیں۔

اب مولف کا کام ہے کہ وہ ان خشک و بیزار اجزا سے جن پر خرفات کا اطلاق ہو سکتا ہے کلام کو پاک کر دے، بہت سے خصائص بالخصوص کسل و انقباض کے لمحوں میں تفریح و شگفتگی پیدا کرنے کی بنا پر شعرا کی صحبت دنیا میں بہترین صحبت ہے، لیکن یہ لوگ ہر وقت اپنے بہترین انداز سے مزین نہیں رہتے یہ ہمارا کام ہے کہ مناسب موقعہ تلاش کر کے بہ عنوان جمیل انکی انجمن میں بار حاصل کریں، ساتھ ہی ساتھ مولف کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ خود ایک مرتبہ تعارف کرادے اس کے بعد پڑھنے والے کو اس کی حالت پر چھوڑ دے کہ وہ اپنے تعلقات خود جاری رکھے یا ختم کر دے لیکن مولف کے مہیا کردہ اسباب تفریح کے استعمال اور اس ذریعہ جلب منفعت کی توقعات کے بارہ میں اس مقام پر ارباب مطالعہ کو ایک خاص امر کی ہدایت کرنا ضروری ہے جو بیشتر نظر انداز کر دیا جایا کرتا ہے، اسٹیل ایک بڑے مصور کا قول نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "جس طرح بعض صورتیں بعض مصوروں کے قلم کے لئے مخصوص ہوتی ہیں اسی طرح بعض عنوان بعض شعرا کا حصہ ہوا کرتے ہیں" یہ اصول من و عن انتخاب مطالعہ پر عائد ہوتا ہے کوئی شخص کسی شاعر کے کلام کا کما حقہ لطف نہیں اٹھا سکتا جب تک اس میں یہ اہلیت نہ ہو کہ وہ اس شاعر کی زندگی میں اس کا رفیق و ہمدم بن سکتا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ کسی شاعر کے کلام سے لطف اندوز

ہونا یا نہ ہونا مزاج و افتادِ طبیعت پر بہت کچھ منحصر ہے، ہم میں سے ہر شخص ایک ہی شاعر یا ایک ہی تصویر کو پسند نہیں کرتا۔ مزاج ہماری دوستیوں کو زندہ سوسائٹی میں طے کرتا ہے اور مزاج ہی کے فیصلہ پر ہمیں ادبی مشاغل کی بنا قائم کرنی چاہئیے۔

لیکن با ایں ہمہ مزاج اور دماغ کی تربیت جیسا کہ ابتدا میں کہا جا چکا ہے قرینِ امکان ہے، اس شخص کے لئے جو کسی شاعر کے کلام میں تاثیر و دلکشی نہیں پاتا ہم تجویز کریں گے کہ وہ اپنے تئیں اُس کی ہمجلیسی کے قابل بنائے بسا اوقات عدم ذوق اور فقدانِ تلذذ نا اہلی کے باعث نہیں ہوتا بلکہ عدم تجربہ کی وجہ سے ہوا کرتا ہے، پس اگر ابتدا میں کسی شاعر کے اندرونی معانی ہماری دسترس سے باہر معلوم ہوتے ہیں تو ہم کو مایوس نہ ہونا چاہئے ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب کشمکشِ حیات جو جملہ امور کی معلم ہے کسی سرور یا الم کے موقعہ پر اُن سارے حقائق کو یکایک منکشف کر دیگی جو ہماری کم نگاہی کے سبب ابتک ہم سے پوشیدہ رہے، شادمانی کے لمحوں میں اور غم کے مواقع پر بھی بالیقین شعرا کی صحبت ہمارے لئے بہترین نعمت اور بدرجۂ اتم مسرت بخش ہے، شعر زندگی کے اُن دشوار گذار راستوں میں جن سے کوئی شخص پیشتر سے واقف نہیں ہوتا ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے اگر ہم حسن پرستی، زندہ دلی اور محبت کیشی سے جو شعر کی جان ہے اپنی نظر میں

کشادہ دماغ حاضر اور ہمدردیاں سرگرم رکھیں۔

یہ جملہ باتیں جواب تک بیان کی گئیں اصولاً ہر اعتبار سے نظیر پر صادق آتی ہیں اسی بنا پر اور اس کے علاوہ اور بہت سے وجوہات کی بنا پر نظیر کے کلام کا انتخاب اس حیثیت و شان سے شائع کرنا نہایت ضروری تھا، باوجود ایسا نغز گو اور عدیم المثال شاعر ہونے کے ملک و ملت ابتک نظیر سے تمام و کمال روشناس نہیں بلکہ موجودہ واقفیت اگر وہ کسی نوع واقفیت کہی جاسکتی ہے جہل کی صورت میں نمایاں ہوتی تو یہ حالت موجودہ زیادہ سودمند ثابت ہوسکتی تھی لیکن سب سے زیادہ قابل افسوس تو یہ امر ہے کہ ارباب ذوق اور اہل علم کو بھی اس مرحوم سخنور کے کلام پر اتنا عبور نہیں جتنا دیگر اساتذہ کے کلام پر ہے بلکہ اُن کا تغافل اور عدم توجہی کسی طرح عوام الناس سے کم نہیں، اردو زبان باوجود اپنی بے بضاعتی اور کم مایگی کے شاعری کو اپنے مربیانہ فیضان سے ہمیشہ مالامال کرتی رہی ہے اردو بولنے والوں کو شعر و سخن سے ہر زمانہ میں جو دلچسپی رہی وہ شعرا کی کثرت سے صاف ظاہر ہے اس صورت میں نظیر سے ناواقفیت اور لاپرواہی اور بھی تعجب انگیز ہے مگر فی الحقیقت وہ ذوقِ عام صحیح مذاق شعر و ادب نہ تھا اور اس سے ہمارے استعجاب کا کافی جواب ملتا ہے، بہرحال اب مطالعہ کرنے والوں کو سہولیت بہم کرنے اور دماغوں کو نظیر کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ

کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال بہترین نظموں کا ایک مختصر مجموعہ پیش کیا جائے جو آئندہ ارباب تلاش کے نزدیک تحقیق و تنقید کا پیش خیمہ بن سکے، کسی شاعر کا مطالعہ کرتے وقت اس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے کلام کا کم از کم اتنا حصہ ضرور پڑھ لیا جائے جس سے زندگی اور آرٹ کے متعلق اس کے نقطۂ نظر کا کافی اندازہ ہو سکے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کلام کا وہ حصہ پیش نظر ہو جس میں شاعر نے پورا پورا زور تخیل صرف کیا ہے ہم نے اپنی لیاقت اور استعداد کے موافق اسی توجیت کا کلام منتخب کرنے کی کوشش کی ہے تاہم متبعین کے لئے ابھی بہت وسعت باقی ہے اور یقین ہے کہ یہ ہیچ خال نہ جائے گا اور اس بنیاد پر بڑی بڑی عالیشان عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔

بحمد اللہ اب ملک میں بیداری کے آثار نمودار ہیں اور استقلال کی روشنی دلوں پر مسلط ہو چکی ہے اس لئے قوی امید ہے کہ ملک خود اپنے پوشیدہ جواہر کو گمنامی کی تاریک کانوں سے کھود کھود کر نکالے گا اور ہر جوہر قابل کی اس کی حیثیت اور محاسن کے مطابق پوری پوری داد دی جائیگی۔

تمدن جدید کی معرفی اور انگلستانی تہذیب و ادبیات کے ورود نے ہندوستانی مذاق میں ایک خاص تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ علاوہ بریں مغربی و مشرقی خیالات کے توصل سے جو ایک نیا رنگ پیدا ہو گیا ہے وہ بھی بالذات نہایت

مکیف اور لطیف ہے بہرحال انگریزی ادبیات میں جیسی قماش کی نظمیں پائی جاتی ہیں اُردو زبان میں میسر نہیں ہر چند موجودہ شعراء متقدمین کی جانب مائل معلوم ہوتے ہیں تاہم اساتذہ کا کلام جو اب بہت سے وجوہات سے ادب القدما کی حیثیت سے ہمارے پیش نظر ہے اس طرز سخن سے خالی ہے۔ یہاں لامحالہ اساتذہ کو سر عجز و نیاز خم کرنا پڑتا ہے لیکن اُردو زبان کا درفش سروری کسی طرح سرنگوں نہیں ہوتا کیونکہ یہاں سے نظیر کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نظیر کی شخصیت سب سے بلند نظر آتی ہے اور یہیں سے نظیر کی فوقیت کا ثبوت اور معترضین کا جواب دونوں بہم ہو جاتے ہیں، چنانچہ مغرب پسند حضرات کا اعتراض رد کرنے کے لئے نظیر کا صرف وہ کلام پیش کرنا زیادہ قرین مصلحت ہے جو اُن کے خیال میں قطعی مغربی انداز پر ہے اور جس کو مشرقی چاشنی کے متوالے خالص اپنے رنگ میں ڈوبا ہوا پاتے ہیں۔

اس انتخاب کی ایک سیاسی غایت بھی ہے جو کسی عنوان مفاد سے خالی نہیں۔ نظیر کا کلام دیکھ کر اور اس کی ہمہ گیری سے شاعر کی بے تعصبی کا اندازہ کرتے ہوئے نہ صرف یہی معلوم ہوگا کہ قرون ماضیہ میں ہندوستان کی ایک قوم دوسری ہمسایہ قوموں کے جذبات کا یہاں تک پاس و لحاظ کرتی تھی کہ شعرا ارادۃً یا اضطراراً ان کا اظہار اپنا فرض منصبی قرار دے لیتے تھے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سرزمین پاک کے بے جرم و خطا مطعون باشندے اس قسم کی

ستشر بقائے حیات سے بے بہرہ اور محروم نہیں جن پر ہندوستان کے مختلف مذہبوں اور قوموں کے باہمی اتحاد و مصالحت ہمدردی و رواداری کی بنیاد رکھی جاسکے، یہ غیر فانی نکتہ نظیر کے کلام کا زندہ معجزہ اور ملک کے بداندیشوں کا جو ہمیشہ اختلاف کے حامی اور شکر رنجیوں کے ممد رہے ایک دنداں شکن جواب ہے۔

نظیر کا کلام ایک زخار سمندر ہے جس میں ہر قسم کے موتی بے حد و بے شمار دستیاب ہوتے ہیں، اس لئے انتخاب کرنے والے کو بہت زیادہ گنجائش ہے، اسی فیض عام کی برکت سے اس تالیف میں بھی ہر مذاق کا لحاظ رکھا گیا ہے، ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، سکھ وغیرہ ہر مذہب و عقیدہ کے پیروان کے لئے کافی دلچسپی کا التزام کیا گیا ہے، نظموں کی نوعیت اور مختلف مذاقوں کی رعایت کا ذکر کار لاحاصل معلوم ہوتا ہے مطالعہ سے ہر بات خود ظاہر ہو جائیگی۔

نظموں کے ناموں کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے اور ہم معترف ہیں کہ اس بارہ میں تحقیق بہت دشوار ہے۔ مختلف نسخوں میں مختلف عنوان دیے ہوئے ہیں۔ ہم نے نظیر کا تجویز کردہ عنوان معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اس کا سراغ کچھ تو پرانے نسخوں سے لگایا ہے اور کچھ نفس مضمون سے اندازہ کیا ہے پھر بھی پورے تیقن کے ساتھ صحت کا دعوی نہیں کیا جاسکتا اس انتخاب میں جو نظمیں ہیں انکی سات مختلف نسخوں سے تصحیح کی گئی ہے لیکن بشہادت

کے ایڈیشن پر زیادہ انحصار کیا گیا ہے مگر جہاں ہر نسخہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اور شہباز کے ایڈیشن سے بھی کافی تسلی نہیں ہوئی تو ہم نے اکبرآباد کا باشندہ اور یہاں کی ہر قسم کی زبان سے بخوبی واقف ہونے کی حیثیت سے اپنی رائے کو ترجیح دی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

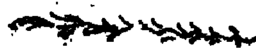
اس تالیف میں عموماً اور دیباچہ نگاری میں خصوصاً انگریزی ادبیات سے بہت کچھ مدد لی گئی ہے دیباچہ میں متعدد انگریزی انشا پردازان اور حقیر مؤلف کے خیالات کا اجماع ہے، بعض جگہ فقروں کا بجنسہ ترجمہ کر دیا گیا ہے جو داوین کے اندر بند ہیں، لیکن بعض مقامات پر عبارت کا ربط قائم رکھنے اور دوسری انشائی ضروریات کے باعث یہ مقامات علیحدہ نہ رکھے جا سکے بلکہ اس طرح مخلوط ہو گئے کہ قوسین کے اندر محدود بھی نہ کئے جا سکے اسکی معافی چاہی جاتی ہے، ممکن ہے عالی حوصلہ حضرات اس پر انگشت نما ہوں لیکن اس بارہ میں صرف اس قدر گزارش کرنا غالباً عذر گناہ نہ سمجھا جائے گا کہ اردو زبان خصوصاً نثر ابھی بہت کم مایہ ہے لہذا دوسری زبانوں اور ادبیات سے خیالات کا اقتباس کر کے اپنی زبان میں شامل کرنا اور اس کو سرمایہ دار بنانا کسی نوع خالی از دلچسپی نہیں اور معیوب نہیں تصور کیا جا سکتا۔

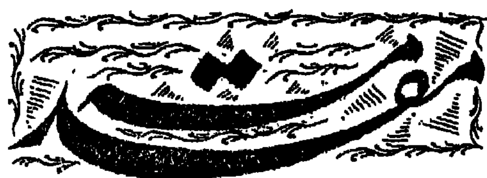
جون ۱۹۲۲ء
آگرہ

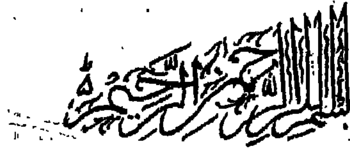
مخمور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۲) فہرست مضامین







مقدمہ (۳)

تمہید

شاعری کے محاسن کا تذکرہ کرتے ہوئے آرنلڈ ایک مقام پر رقمطراز ہے کہ شاعری "تنقید زندگی" ہے دعوے کی حقیقت نمائی اور صداقت پر جو یقین ہے اگر یقین کر لیا جائے تو شاعری کی ضرورت تسلیم کر لینا ہم قبیل سے لازم آتا ہے، اس لئے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس کا وجود مہذب قوموں کے لئے ناگزیر ضروریات حیات میں سے ہے، اور اس کی ترقی قومی حیات و عوائد کی ترقی کے پہلو بہ پہلو رہتی ہے، جس طرح کوئی قوم فلسفی و مقنن کی دماغی و ذہنی مساعی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی اسی طرح

شاعر کی روح پرور خدمات قومی ضروریات سے حذف نہیں کی جا سکتیں، اگر فلسفی اپنی عزیز عمر اور تمامتر قوتیں مقصد حیات، اسباب فلاح اور وسائل نجات کی تلاش و جستجو کے لئے وقف کر دیتا اور مقنن بہبودی و امن عامہ کو مدنظر رکھ کر ترقی کامل اور قومی مطمح نظر حاصل کرانے کے ذرائع بہم کرنے کی کوششیں کرتا اور شاہراہ سعی و عمل پر بہ اسلوب احسن قوم زن ہونے کے لئے قواعد منضبط کرتا ہے تو شاعر بھی اسی شغف و انہماک کے ساتھ قومی غیرت و حمیت کو زندہ اور احساس قومیت کو جو حیات قومی کے لئے غالباً سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے بیدار رکھتا ہے، شاعر کا کام ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر لحظہ ملک کی حسیات کے مدّ و جزر سے باخبر رہے اور اخلاق کی درستی میں نمایاں حصہ لے، مردہ آرزوؤں کو زندہ کرنا پست ہمتوں کو ابھارنا اور جذبات خفتہ میں تلاطم و ہیجان پیدا کرنا شاعر کا فرض اولین ہے شعر وجدان فطری کو برانگیختہ کرتا اور طبیعتوں کو جوش و ولولے، خیالات کو جدّت و لطافت اور دلوں کو مسرت و تازگی بخشتا ہے، جس قوم کا ذوق شعری کند ہو جائے سمجھ لو کہ اس کے آثار حیات زائل ہو چکے اور اب تنزل کی جانب مائل ہے، پس معلوم ہوا کہ قوم کو زندہ اور باخبر رکھنے اور اسمیں جدو جہد کی روح پھونکتے رہنے کے لئے شاعر کی شخصیت اتنی ہی ضروری ہے جتنی فلسفی و مقنن کی، لیکن دراصل

ان سب سے زیادہ ضروری نقاد کا وجود ہے جو ہر چیز کو تنقید کی روشنی میں پیش کرکے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیتا ہے، تنقید وہ کسوٹی ہے جس سے شعر کے حسن و قبیح کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر نے کہاں تک اپنا فرض انجام دیا اور اُسکی شاعری کس حد تک شاعری کہی جانے کی مستحق ہے، اس وقت نظیرؔ اور نظیر کا کلام ہمارے پیش نظر ہے، اب ہم تنقید کی کسوٹی پر کس کر دیکھیں گے کہ نظیرؔ کیا تھے اور انکا کلام کیا اہمیت رکھتا ہے۔

نظیرؔ کا نام لیتے ہی جو چیز سب سے پہلے سامنے آتی ہے وہ ان کی گمنامی ہے، نظیر کو سیر گلشن جناں کرتے ہوئے تقریباً ۹۴ برس ہو گئے

گمنامی

یہ مدت اتنی کافی ہے کہ اگر ابنائے وطن اس مرحوم سخنور کی طرف توجہ کرتے تو بہت کچھ ذخیرہ تحقیق و تنقید کا ارباب مطالعہ کے قبضہ میں ہوتا ایک صدی کی مدت اتنی ہے جس میں زندہ اور باخبر قوموں کے شعرا مدارج شہرت و قبولیت طے کرکے آسمان عروج و سربلندی کے ستارے بنجایا کرتے ہیں اور اُن کا شمار ادب القدما کی برگزیدہ فہرست میں ہونے لگتا ہے لیکن ہندوستانی ادب قدیم کے لئے جو اپنے حسن میں کامل اور اپنی نوع میں متقدم ہے ہنوز روز اول ہے، حیف ہے اس ملک و ملت کی خفتہ بختی پر جس نے اپنے گوہر یکدانہ کو گرد گمنامی سے اس طرح آلودہ کر رکھا ہو،

ہم پورے یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتے کہ نظیرؔ کے حین حیات میں ان کی قدردانی کا کیا عالم تھا مگر اتنا ضرور قیاس کر سکتے ہیں کہ گذشتہ ساٹھ ستّر برس کی مدت میں جیسا روح فرسا اور جوہر کش برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا اس سے بدرجہا بہتر قدردانی غالباً ان کی حیات میں ہوئی ہوگی لیکن اس بنا پر بھی ہم بلا خوف تردید یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ نظیرؔ فی الحقیقت جس قدردانی کے مستحق تھے اتنی قدر ان کی حیات میں بھی ہرگز نہ ہوئی ہوگی، تاریخ ادب اس امر کی شاہد ہے کہ ذوقِ شعری نے اس وقت تک ارتقاء کی اس منزل میں قدم نہ رکھا تھا جہاں سے نظیرؔ کی سرحد شروع ہوتی ہے بلکہ شاعری ابھی ترقی کے ابتدائی مراحل بھی طے نہ کر چکی تھی کہ اس فطری مغنی نے اپنے الوہیانہ نغمے چھیڑ دئے، زمانہ کی بھونڈی قدامت نواز طبیعت کسی اور طرف مائل تھی اور ان کے نفیس و اختراع پسند خیالات کا رجحان کسی اور جانب تھا، یہاں تک کہ ان کی تیز رفتاری نے ادبیات کے سست رو کارواں کو کوسوں پیچھے چھوڑ دیا پس اس طرح نظیرؔ تو اپنے ہی وقت میں روش زمانہ سے بہت آگے نکل گئے لیکن اہل ملک میں یہ صلاحیت اتنی جلدی نہ پیدا ہو سکی کہ ان کی کنہ بیان کو سمجھنے اور مناسب داد دے سکتے ہاں ایک نئی اور دلچسپ چیز سمجھ کر تھوڑی بہت واہ واہ ضرور کرتے رہے نظیرؔ کے معاملہ میں اتنی سخت حق تلفی اور انصاف کا خون ہونے کی غالباً

یہی سب سے بڑی تاریخی وجہ ہے جس تک ہمارا ذہن رسائی کر سکا، مگر چونکہ وہ ایک مستغنی المزاج اور غیر ستائش پسند بزرگ تھے انہوں نے کبھی اسکی کچھ پرواہ نہ کی اپنے کو جس کام پر مامور سمجھتے تھے وہ کام انہوں نے ہمیشہ نہایت اطمینان و خاموشی سے انجام دیا اور جو پیغام قسام ازل نے انہیں ودیعت کیا تھا عمر بھر اسی کی تلقین کرتے رہے، تمدن جدید کی معرفت نے نظیر کے محاسن کو حقیقی روشنی میں پیش کیا ہے اور اب ہمارے نزدیک وہ وقت آگیا ہے جب انکی پوری پوری قدر شناسی کی جائے گی۔

نظیر کی مخصوص سربلندی اور انتہائی گمنامی دونوں کو ایک جا جمع کرکے لازمی طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کوئی بڑا شاعر اتنا گمنام نہیں، ہر چند

کوئی بڑا شاعر اتنا گمنام نہیں

متعدد فارسی تذکروں میں ان کا ذکر موجود ہے لیکن تفصیل کے ساتھ کسی میں نہیں اس لئے ان کا عدم وجود برابر ہے البتہ اب پروفیسر شہباز نے جو تذکرہ مرتب کیا ہے اس سے بہت کچھ حالات کا پتہ چلتا ہے عوام اور سطح نظر گروہ تو ایک طرف بالغ نگاہ اور اصحاب تحقیق کی تلاش سے نظیر کا بچ رہنا بظاہر بہت تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے، مولانا محمد حسین آزاد صاحب تذکرہ آب حیات کی وسیع جستجو سے نظیر کے پوشیدہ رہنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ آزاد نظیر کو شاعر نہ سمجھتے تھے دوسرا یہ کہ ان سے سہو ہوا، آزاد کی جوہر شناس نگاہ کے

متعلق یہ شبہہ کرنا کہ وہ نظیر کے قائل نہ تھے ہم بہتان سمجھتے ہیں پس یہ خیال تو ایک منٹ کے لئے بھی قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ البتہ دوسری وجہ زیادہ قرین قیاس ہے، گزشتہ زمانہ میں مذاق سخن اس درجہ مصنوعی ہو گیا تھا کہ فطرت شناسوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی اس عام بدمذاقی نے لوگوں کو روز بروز نظیر کی جانب سے غافل کرنا شروع کر دیا آخر کار زوال کی وہ حد پوری ہو گئی جہاں سے پھر کمال کی ابتدا ہونے لگتی ہے، اس ماحول کے زیر اثر اگر آزاد سے سہو ہوا ہو تو زیادہ تعجب خیز نہیں، گمنامی کی ایک وجہ اور بھی سمجھ میں آتی ہے اور اس کے غالباً نظیر خود ذمہ دار ہیں، وہ ایک درویش صفت، صاحبدل، قانع، وضعدار، مستغنی المزاج، خوددار، عالی ظرف، بلند حوصلہ اور سیر چشم بزرگ تھے اس لئے انہوں نے کبھی کسی دربار میں ملازمت کرنا یا حاضر باشی پسند نہ کی۔ اکثر کئی درباروں سے طلبی ہوئی مگر جانا پسند نہ کیا۔ شہباز کی رائے کے مطابق راجہ کاشی مقیم اکبر آباد کے یہاں ان کا تعلق ثابت ہے لیکن وہ محض برائے نام تھا، کسب معاش یا حصول زر کی خاطر نہ تھا، غالباً خودداری اس امر کی اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ رئیسوں کی درباداریاں کریں اور ان کی بیجا و بیجا خوشامد، چاپلوسی، سخن پروری اور ناز برداری کا بار اپنے حقیقت پرور نفس پر ڈالیں، وہ شاعری کا صحیح مفہوم جانتے تھے اور اسکو کسی فرد واحد کی تعریف و توصیف سے آلودہ کرنا

باعث ننگ سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ شعر دل کی تحریک سے ظہور پذیر ہو سکتا ہے نہ کہ رؤسا کی فرمائشوں اور حصول عطیات کی خواہشوں سے شاعری ان کا شغل شوق تھا وہ اسے ذریعہ کسب معاش بنانا گوارا نہ کر سکتے تھے، درباروں سے تعلق نہ پیدا کرنے اور رؤسا کی مجلسوں سے الگ رہنے کی ایک وجہ غالباً ان کی فارغ البالی اور معاش سے بیفکری بھی تھی وہ اپنے گھر کے کھاتے پیتے آدمی تھے اور کسی کی امداد و حمایت کے محتاج نہ تھے، غالباً یہی وہ بات ہے جس نے ان کے مزاج کی شریفانہ خصوصیات کے قرار و قیام میں ہمیشہ مدد دی پس چونکہ تمام عمر خانہ نشینی سے کام کر رہا اس لئے ملک میں مشہور و مقبول نہ ہو سکے صرف گرد و نواح کے باشندے قدر سے واقف رہے، چونکہ ملک کے ذرائع مراسلت و تبادلہ خیالات اس وقت تک اتنے ترقی یافتہ نہ تھے کہ کوئی شاعر گھر بیٹھے بیٹھے اور اس کا کلام شہر بشہر پھیل جائے اس لئے ملک تمام تر اس سے بے خبر رہا مگر اکبرآباد میں ان کی عزت و توقیر اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں طبقوں میں ہمیشہ بہت زیادہ رہی۔

نظیر کے متعلق ایک امر متنازعہ فیہ یہ بھی ہے کہ آیا وہ شاعر ہیں یا نہیں

شاعرانہ اہلیت گذشتہ زمانہ میں جبکہ ایشیائی شاعری کے مصنوعی شعبہ کا رنگ دلوں پر نہایت گہرائی کے ساتھ غالب تھا اور تعصب و تنگ خیالی نے آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے ملک میں ایک وسیع گروہ ایسا تھا جو نظیر کی

شاعری کا قائل نہ تھا، لکھنؤ اور دہلی کے شعرا خصوصاً آخر الذکر جو ہمیشہ زبان اور شاعری کو اپنی میراث سمجھتے رہے اس خیال کے بہت بڑے حامی رہے، یہ جماعت نظیر کو ایک ہزل گو، فحش پسند، صحت لفظی سے معرا یا وہ گو ناظم اور مبتذل طبقہ کا آدمی سمجھتی رہی ان کے اجتہاد اور مافوق العادت کمال شاعری کا مقر ہونا تو درکنار نظیر کو زمرہ شعرا میں بھی جگہ دینا انہیں پسند نہ تھا، یہ تو خیر متقدمین کا ذکر ہے، اس زمانہ میں بھی جبکہ علم کا چرچا گھر گھر، اور ذوق کی جنس اسی قدر عام ہے، اسی پرانی لکیر کے پیٹنے والے قدامت پرست کچھ لوگ موجود ہیں جو نظیر کی اہلیت کے قائل نہیں اور ان کو اب تک ایک تک بند سمجھتے ہیں گروہ مخالف کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ نظیر کا کلام اور ان کی زبان اپنے زمانہ کے معیار سخن سے جانچنا چاہتے ہیں یہ فاش اور بیجا غلطی ہے اور اس سے سراسر جہل تاریخی ٹپکتا ہے، وہ لوگ اس بات کو مدنظر نہیں رکھتے کہ نظیر جس زمانہ کے شاعر ہیں وہ اردو کا بچپن تھا اور یہ زبان منازل تکوین طے کر رہی تھی، تراکیب میں آجکل کی سی شستگی اور پاکیزگی نہ تھی بھاشا کے الفاظ کثرت سے شامل تھے، ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ شاعری اس قدر قیود لسانی وعروضی کی پابند نہ تھی، انشا کے وقت سے عروض، زبان، اور صحت لفظی کے متعلق جو جو قیود لگائے گئے وہ اس وقت نافذ نہ تھے، پس نظیر پر جو انشا کے متقدم اور دور تکوین کے سخنور ہیں ان قیود

کا اتباع کیونکر فرض ہو سکتا تھا نہ اس زمانہ کی ضروریات ان قواعد کی پابندیوں کی اجازت دیتی تھیں کہ وہ بطور خود ان کو اپنے کلام پر عائد کر لیتے بہر حال اس وقت کی مشکلات جن کی تفصیل دینے کا یہ محل مناسب نہیں ہے، نظیر کے لئے کیا کم تھیں کہ وہ اور قیود اپنے اوپر لگاتے، اس لئے نظیر پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا، مخالفین کے غلط فتاوی اور جوہر کش ہرزہ سرائیوں سے نظیر کی شان شاعری اور اہمیت سخنوری میں کچھ فرق نہیں آتا بلکہ سراسر اسی طبقہ کے تعصب، بدذوقی، اور کم نظری کا اظہار ہوتا ہے۔ غالباً وہ لوگ شاعری کا صحیح مصرف نہ جانتے تھے اور اگر جانتے تھے تو کم از کم یہ خیال ضرور رکھتے تھے کہ وہی شاعری کا بہترین حق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کاش ان کا عقیدہ ہوتا کہ وجدان کسی فرد واحد یا مخصوص طبقہ کی ملک نہیں، جدت کی الہام آفریں نسیم روح پرور جہاں چاہتی ہے اپنے خوشگوار جھونکوں سے دماغوں کو تر و تازہ اور روحوں کو معطر کر سکتی ہے، قسام ازل کی فراغ حوصلگی نے کسی جمعیت کو اپنی بے پایاں نعمتوں سے بے بہرہ نہیں رکھا ملک کا کوئی گوشہ جہاں رمز شناس موجود ہوں فطرت کے فیض عام سے محروم نہیں رہ سکتا۔ رموز الوہیت کا سرچشمہ ہر جگہ جاری ہے اور عام اجازت ہے کہ لوگ اس سے سیراب ہوں، جس کے پاس ظرف موجود ہے اور تشنگی غالب ہے وہ اس سے اچھی طرح سیراب ہو سکتا ہے، نظیر کے پاس یہ ظرف

مع جملہ خصوصیات کے موجود تھا اور تشنگی بیحد غالب تھی، انہوں نے خود سیر ہو کر پیا اور ہزاروں کو سیراب کرایا۔ اب تک جو شخص نظیر کی ۔۔ دکا طالب ہو وہ اس کو چشمۂ فیضان کا راستہ بتا سکتے ہیں، پس ایسے شخص کے لئے کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ محض ایک ہزل گو، اور بازاری شاعر ہے، نظیر کے کلام کو سوقیانہ طرز سخن کا مرادف سمجھنا بہت بڑی اخلاقی غلطی ہے، وہ ایک نغز گو، بذلہ سنج اور رمز شناس شاعر تھے جنہوں نے باتوں باتوں میں کھیل کود اور تماشوں میں لیجا کر ظرافت اور تفنن کے پیرایہ میں وہ وہ کار آمد اصول بتائے اور مفید نصیحتیں کی ہیں جن پر اگر سچے دل سے غور اور پھر عمل کیا جائے تو انسان کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا اور دنیا کے پیچیدہ راستوں کو بہت آسانی کے ساتھ طے کر سکتا ہے۔ نظیر نے نئی بندشوں اور ترکیبوں کا اضافہ کیا قدیم فرسودہ استعارے اور تشبیہوں کو چھوڑ کر جدید باتوں کی ترویج کی اور انواع اقسام کے خیالات پیدا کئے۔ زندگی کے حالات پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی اور جس شعبہ کو اٹھایا اس کا پورا پورا حق ادا کیا ایشیائی شاعری میں نیچرل شاعری کا پیوند لگانے کا فخر سب سے پہلے اکبرآباد کے اسی قدیم سخن گو کو حاصل ہے زبان پر قدرت، معاشرت پر عبور، فطرت پسندی کی مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت، نفسیات انسانی کا علم، مختلف علوم و فنون سے محبت، رفتار زمانہ سے دلچسپی، سیاست میں دخل، صنعت و حرفت سے واقفیت، ہمدردی، ظرافت، سوز و گداز، ترنم، محبت، غرض

یہ کہ شاعری کے سارے لوازمات اور شاعر کے جملہ محاسن نظیر کی ذات میں جمع ہیں
پس انہیں شاعر نہ سمجھنا غلطی ہے۔

نظیر کو شاعر نہ سمجھنے والا طبقہ ان کی لیاقت علمی کا بھی منکر ہے اور کہتے ہیں
علمیت کہ میاں نظیر علم سے بے بہرہ اور جاہل آدمی تھے، باقی رہا شاعرانہ کمال
تو اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ زور طبیعت نے انہیں تک بند بنا دیا تھا، یہ نظریہ
قطعی غلط ہے، نظیر کا شمار اُن کے زمانہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں میں تھا، بہت سے
لوگوں کا استدلال اس ایک نظم پر ہے جو انہوں نے اپنے متعلق کہی ہے
اور جس میں اپنی بے علمی اور کم مائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ قدیم تہذیب کو مد نظر
رکھتے ہوئے جبکہ انکسار اور اظہار ہیچمدانی اعلیٰ ترین اخلاق خوبیوں میں شمار کئے
جاتے تھے نظیر کے اشعار کے ظاہری معنی لینا انصاف کا خون کرنا ہے، عربی
میں تو البتہ نظیر کو زیادہ استعداد نہ تھی مگر فارسی کے وہ بہت بڑے
عالم تھے فارسی کی جملہ کتب درسیہ تو انہوں نے زمانہ طفولیت و تعلیم ہی میں
پڑھ لی تھیں لیکن ادب عالیہ کی مشہور تصانیف تمام عمر اُن کے مطالعہ میں
رہیں، اُن کا پیشہ معلمی تھا ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے مکاتب کی حالت آجکل
کے مکاتب کی طرح زبوں نہ تھی، طلبا وہیں سے فارغ التحصیل ہو کر اور اعلیٰ
تعلیم کی سندیں پا کر نکلتے تھے اور ہر قسم کی سیاسی۔ ملکی آئینی ذمہ داریاں
اُن کے سپرد کی جاتی تھیں لہذا ایسے مکاتب میں درس دینا بھی کبھی معمولی

شخص کا کام نہ تھا، پس جب تک کوئی مسلم الثبوت استاد اور مستند لیاقت کا معلم نہ ہو ہرگز اس کے سپرد اتنی بڑی ذمہ داری نہ کی جا سکتی تھی، اس لئے نظیر کا معلم ہونا ہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے منتخب فاضل اور بڑے ذی علم بزرگ تھے، اس کے علاوہ اور بھی شہادتیں ہیں جن سے ان کا صاحب علم ہونا ثابت ہے، علمی قابلیت کے ماسوا وہ زبانوں کے بہت بڑے ماہر تھے اور یہ قدرت اُن میں خداداد تھی، فارسی عربی کو چھوڑ کر وہ ہندی، پنجابی، ماڑواری، پوربی، اور برج یہ پانچ زبانیں اور جانتے تھے، اس طرح مع اُردو آٹھ زبانوں میں دخیل تھے، مختلف علوم و فنون میں اِن کی عام معلومات نہایت وسیع تھی اور ہر شعبۂ علم میں تھوڑی بہت واقفیت ضرور رکھتے تھے چنانچہ رمل، نجوم، ہندسہ، موسیقی، منطق، وغیرہ میں شغف کا پتہ ان کے کلام سے چلتا ہے اپنے ملک کی سیاست کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے، لیکن تاریخ سے بہت زیادہ دلچسپی تھی تاریخی ناموں کے حوالے اور تاریخی واقعات کے جابجا تذکروں سے مترشح ہوتا ہے کہ تاریخ پر ان کو بڑا عبور تھا اور یہ علم ان کے پسندیدہ ترین مضامین سے تھا،

رنگ کے موجد

نظیر خود اپنے رنگ کے موجد ہیں اس لئے تقدم کی فضیلت اُن کا حصہ ہے، انہوں نے اپنا رنگ خود پیدا کیا خود ہی اس پر چلا کی اور اپنے ہی پر اس کا خاتمہ کر دیا شاعری میں وہ کسی کے شاگرد

نہ تھے زورِ طبیعت نے انہیں شاعر بنایا۔ فطرت نے اُن کے ذوق کی تربیت کی اور حقیقت نے انہیں مکمل کر دیا، اپنے طرزِ سخن میں وہ کسی کے پیرو یا مقلد نہ تھے، چونکہ انگریزی سے محض ناواقف تھے اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے مغربی شعرا کا تتبع کیا، بلکہ مجبوراً یہی کہنا پڑتا ہے کہ استادِ ازل نے انہیں خود ہی سکھا پڑھا کر اُتارا تھا، جو رنگ ان میں خاص طور پر نمایاں تھا وہ مصورِ حقیقی ہی نے اُن میں بھرا تھا۔ عمر کا بہت ابتدائی حصہ تو حیرت و استعجاب میں گذرا لیکن جب مناسب وقت آیا تو حجاب کے پردے انکی آنکھوں سے اٹھنے لگے اور رموزِ فطرت اور حقیقتِ شاعری اُن پر روشن ہونے لگی، اب ان کی اندرونی قوتوں نے جو ازل سے ودیعت کی گئیں تھیں انہیں مجبور کیا کہ وہ بھی اپنی آنکھیں پوری کھولدیں، جو دیکھیں وہی محسوس کریں اور جو محسوس کریں وہی زبان پر لائیں جو زبان پر لائیں وہی عقیدہ رکھیں اور اس عقیدہ کو اربابِ نگاہ کی ہدایت و معلومات کے لئے بجنسہ ان تک پہنچا دیں۔ نظیر کی بدنامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ فرسودہ راستہ سے ہٹ کر چلے۔ لوگ جس کو صراطِ مستقیم سمجھے ہوئے تھے انہوں نے اُسے ٹیڑھا راستہ تصور کیا اور ملک کے مذاق کی اعتنا نہ کی۔ اپنے ماحول غلط سے مطابقت کرنی نہ چاہی بلکہ شاعر کا پیمبرانہ فرض اپنے ذمہ لیا کہ ماحول غلط کو بدلیں اور ماحول حقیقی پیدا کریں، ملک کے مصنوعی طرزِ سخن کو وہ صرف ناپسند ہی نہ کرتے

تھے بلکہ ناپسند کرنے پر مجبور تھے، مذاق قدیم کا جامۂ کہنہ بہت تنگ ہو چلا تھا نظیر کی ہمہ گیر و وسیع تخئیل اس میں نہ سما سکتی تھی۔ اِن کی طبیعت کا متواتر تقاضہ تھا کہ وہ ان خود ساختہ بندشوں سے رہا ہو کر آزادی کی وسعتوں میں پرواز کریں اور فطرت کے مطالعہ میں مشغول ہو جائیں۔ زمانہ انہیں اپنی طرف کھینچتا تھا اور فطرت اپنی طرف، کچھ دنوں تک تو یہ کشمکش رہی لیکن طبیعت کا فطری زور غالب آتا معلوم ہوا اور حسیات کی نزاکت اسکی مدد پر کمر بستہ رہی آخر کار انکے جبلی زور آزادی نے اِن تمام خود ساختہ بندشوں کو توڑ کر اپنے خیال کو بالکل آزاد کر لیا اور مصنوعی رنگ کو چھوڑ کر فطرت کی رنگا رنگیوں میں ڈوب گئے

نظیر کا آرٹ

نظیر کی شاعری میں عتیم بالشان خودداری اور اقتضائے بشریت کی ایسی جھلک پائی جاتی ہے جو بیباکانہ جذبات اور پُر غضب تحریکات دل کی ترویج کے لئے ناموزوں سہی مگر ان کے کلام کو شریفانہ، حسین، اور موثر خیالات کے اظہار کا لاثانی ذریعہ بناتی ہے، یہ اثر کچھ تو سعدی اور دیگر اساتذہ سلف کے دانستہ اتباع سے پیدا ہوتا ہے اور کچھ سطحی خیالات سے احتراز کرنے سے دنیا کے تماشوں کو محض تماشہ سمجھنا اور دنیا کی دلچسپیوں میں شامل ہو کر اُس کی برائیوں سے علیحدہ رہنے نے کلام میں ایک وقار پیدا کر دیا ہے جو علوِ تخئیل سے متحد ہو کر دلوں پر نہایت گہرا اثر ڈالتا ہے، نظیر کی نادر الوجود خصوصیت شاعری بالکل بیّن ہے اور بہت آسانی سے پہچانی جا سکتی ہے، یہ خصوصیت اُن کا خلوص

دل اور غیر متنازعہ حقیقت پسندی ہے نظیر کے تخئیل اور حیات میں افسانوی مسرت و الم، بے معنی اثر پذیری، اور نمائشی نفاست نہیں ہے، وہ ہمارے سامنے جس جذبہ کی کیفیت پیش کرتے ہیں اس کی برقی رو پہلے اُن کے ذی حیات قلب میں دوڑ چکتی ہے، نصیحتوں کی اُن کے کلام میں بڑی کثرت ہے لیکن وہ کسی ایسی بات کی تلقین نہیں کرتے جو پہلے خود ان کی رہنمائی نہیں کر چکی، وہ جو کچھ لکھتے ہیں سماعی شہادت کی بنیاد پر نہیں بلکہ عینی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ کی بنا پر، وہ اُن مناظر معاشرت کا نقشہ کھینچتے ہیں جن کے درمیان رہ کر انھوں نے زندگی کے رموز پر غور کیا ہے اور جن نے ان کی روح کو حسین جذبات پاکیزہ خیالات اور مستحکم ارادوں کا مستقل نشیمن بنا دیا ہے، اُن کے جذبات کسی ذاتی مقصد یا نمائش کی خاطر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اس لئے ابل چلتے ہیں کہ اُن کا رقیق دل اُن کے ضبط پر قادر نہیں، اپنے جذبات کے اظہار میں وہ پورا پورا ترنم صرف کرتے ہیں گو زبان بسا اوقات بازاری ہو جاتی ہے لیکن کبھی صحت اور فطرت سے معرا نہیں ہوتی، خلوص کے علاوہ اُن میں ایک اور کمال ہے جس کا اظہار انتخاب عنوان میں ہوتا ہے، نہیں بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہے کہ کمال کا اظہار عنوان سے لاپرواہ رہنے میں ہوتا ہے، نظیر ہر عنوان کو دلچسپ بنا دینے کی قدرت رکھتے ہیں، معمولی شاعر معمولی انسان کی طرح ہمیشہ بیرونی واقعات سے اُس مدد کا طالب رہتا ہے جو اس کو صرف اپنے باطن سے

مل سکتی ہے، نظیر میں یہ کمال ہے کہ وہ ادنیٰ باتوں، گھریلو واقعات اور سادہ مناظر سے وہ کیفیات اور مطالب پیدا کر لیتے ہیں جو معمولی شعرا دقیق مسائل سے بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ نوعی ہمدردی کے ساتھ رواداری اور رواداری کے پہلو بہ پہلو مذہبی بے تعصبی نظیر کے کلام کا وہ جوہر ممتاز ہے جو ہندوستانی شعرا متقدمین میں عموماً ناپید اور سرزمین ہندوستان کے مغنی کے لوازم دلفریبی میں فائق ترین عنصر ہے، فحشیات کی دراندازی کے باوصف رکاکت و ابتذال کلام سے چھو کر نہیں نکلے ہاں عریانی جو اہل فلسفہ کے نزدیک تکمیل آرٹ اور حق محاکات کی مرادف ہے بدرجۂ اتم موجود ہے، لیکن اس کی غایت صرف اظہار واقعہ ہے کسی قسم کا تمسخر یا استکراہ مدنظر نہیں، جس طرح ایک نقاد کسی تصویر پر تنقید کرتے ہوئے جہاں اس کے محاسن کا ذکر کرتا ہے وہاں اس کے بدنما معائب کا بھی ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا اسی طرح نظیر جب معاشرت کا سماں کھینچتے ہیں تو خوبیوں کے ساتھ عیبوں پر بھی لامحالہ اُن کی نگاہ پڑتی ہے اور چونکہ وہ ایک صاف گو اور ایمان دار مصور ہیں اس لئے وہ معائب کو بھی اسی آزادی کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں جتنا دوسری خوبیوں کو لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کو دکھاتے ہوئے وہ ایک پوشیدہ درد ایک غیر محسوس شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔ جب وہ اپنی جنس کو شرمناک حرکتوں میں مبتلا دیکھتے ہیں

تو ان کی فطری غیرت کو صدمہ پہنچتا ہے لیکن فوراً ہی ان کی انتہائی شرافت جوش میں آتی ہے اور تمام غم و غصہ ہمدردی و حمایت میں مبدل ہو جاتا ہے

نظیر نے اپنے رومانی و پرفسانہ خیالات کو ادب قدیم کے پرسکون انکسار کا جامہ پہنایا ہے جس سے راحت و انبساط کی ذی حیات کیفیت طاری ہوتی ہے اور کچھ لمحوں کے لیے دنیا کا تمام غم والم محو ہو جاتا ہے، بیان کا تسلسل تراکیب کا تلذذ، بحور کا ترنم، ناگزیر الفاظ کا انتخاب ان کے رنگ کی خصوصیات ہیں، دقیقہ رس ناظر اور صداقت شعار مصور ہونے کی حیثیت سے نظیر کا کوئی مدمقابل نہیں، دقیق النظری کے ساتھ ساتھ قدرتی مسلمات کا ایک عالمانہ وقوف بھی شامل ہے جو ان کی تمثیلوں، تشبیہوں اور استعاروں کو جو مناظر قدرت سے اخذ کیے جاتے ہیں دوگنا موثر بنا دیتا ہے اور جب اس پر کلام کی لذت بخش موسیقیت و شیرینی، اصوات سے مطالب پیدا کرنے کی طاقت کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے تو پھر نظیر کی حیرت انگیز دلفریبی و دلنوازی کا راز منکشف ہونے لگتا ہے۔

نظیر کا موضوع انسان اور اس کی معاشرت ہے چونکہ بنی نوع انسان کی ان کے نزدیک خاص اہمیت ہے اور یہ ان کی انتہائی دلچسپی کا باعث ہے اس لیے وہ اس کو ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے دیکھنا چاہتے ہیں، وہ ہر حالت میں اور ہر مقام پر اس کے ساتھ رہتے اور اس کی ہر قسم کی حرکات و

سکنات سے بخوبی واقف ہو کر اس کو دنیا کے جملہ نشیب و فراز سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں

انسان کا کوئی فعل ان میں نفرت و امتلا کے جذبات پیدا نہیں کرتا ایک طرف تو وہ انسان کو جرم و خطا کا پتلا اور قدم قدم پر بہک جانے والا سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دنیا کی رنگا رنگیوں اور نظر فریبیوں سے خوب واقف ہیں اسلئے وہ اپنے موجب ہمدردی کی خطاؤں اور غلطیوں کو لائق سرزنش خیال نہیں کرتے بلکہ اس کی کمزوریوں کو سمجھتے ہوئے اس پر رحم کھاتے ہیں اور اس کو جملہ آلودگیوں سے نکال کر حقیقت کا صحیح راستہ دکھانا چاہتے ہیں ان کی کوشش ہے کہ دنیا کے لئے ایک پر امن و سکون زندگی اور وسیلہ نجات بہم کریں وہ اپنے کو اسی خدمت پر مامور سمجھتے ہیں اور یہی کام انجام دینے کے لیے ہم اُن کو ہر صحبت، ہر شغل، ہر مجمع میں دیکھتے ہیں، یہی سبب ہے کہ وہ انسان کی ہر دلچسپی میں دلچسپی لیتے اور معاشرت کے ہر رنگ میں منہمک ہو جاتے ہیں اس پر لطف یہ ہے کہ جس آزادی کے ساتھ وہ اعلیٰ مجلسوں میں حصہ لیتے ہیں اسی بے دھڑکی کے ساتھ ادنیٰ طبقوں میں نشست و برخاست کرتے ہیں، وہ صرف انسان اور اس کی معاشرت پر فدا ہیں اور اس کی بہبودی و فلاح کی فکر میں ہر وقت غرق رہتے ہیں وہ غالباً کسی تفریق نیک و بد، اعلیٰ و ادنیٰ کے قائل نہیں، ہر چیز انکے نزدیک ایک ہے وہ وحدت کو ہر شے میں دیکھتے ہیں

اور اُسی کے گیت جابجا گاتے پھرتے ہیں۔

معشوق کی تذکیر

دورِ قدیم کے اُردو شعرا نے مرد کو اپنا معشوق گردان کر اسی جنسِ کرخت پر تمام نازک خیالیاں صرف کی ہیں اور اسی محلِ ناقص کو جذباتِ محبت و یگانگت، درد و خلش، سوز و گداز کا مرکز قرار دیا ہے۔ کلام میں جابجا مذکّر کی ضمیر کا استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ تخاطب عورت کی طرف ہے، ظاہر ہے کہ یہ فارسی شعرا کا غیر محسوس اثر ہے جو آج تک دلوں پر اسی قدر گہرائی کے ساتھ قائم ہے ایرانی ادبیات کا اضطراری اتباع اور اس کے ساتھ بھاشا شاعری کی عدم واقفیت بھی بہت کچھ اس فاش ادبی غلطی کی ذمہ دار ہیں، فطری جذبات کے درمیان وجودِ مشترک کا ورود علاوہ بدنمائی اور شعر کی نزاکتِ طبعی زائل کر دینے کے فی نفسہ نہایت مذموم ہے، تخئیل کی ثقالت تکدّر و تنغّص کا ایسا مکروہ بار دماغ پر ڈالتی ہے جس کی گرانی شعر کے لطیف اجزا پر غالب آ کر اُسکی مسرت آفریں کیفیت کو محسوس نہیں ہونے دیتی، نظیر کی شاعری ہر قسم کے تصنع اور جملہ غیر فطری آلائشوں سے مبرّا ہے لیکن یہ ایک ایسا عام عیب ہے جس سے نظیر کا دامنِ عصمت بھی پاک نہ رہ سکا مگر نظیر کے یہاں اس عیب کا وجود نہایت تعجب خیز ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کی فطرت پسند طبیعت نے اس سقم کو کیونکر جائز رکھا وہ بھاشا زبان کے بہت بڑے ماہر اور اُس کی شاعری کے بڑے مداح تھے، ماسوا اس کے اُن کی طبعی جدّت پسندی

اور ازلی اختراع کاری کچھ اتنی عاجز نہ تھیں کہ وہ خود بخود اس نکتہ تک نہ پہونچ سکتے۔ غالباً ملک کے مذاق کی رعایت اور شعرا کی روشِ عام کی مطابقت نے اُن سے ایسا کرایا۔ پہلے ہی وہ بہت سے دیرینہ قیود اور قدیم بندشیں توڑ چکے تھے اگر اس قانون کی بھی خلاف ورزی کرتے تو نہ معلوم اور کتنے متہم کئے جاتے۔ غالباً یہی وجہ اُس کی پابندی کی ہو سکتی ہے، مگر ان کی آزاد خیالی دیکھتے ہوئے پھر بھی کہنا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کو کسی پابندی کی ماتحت دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ پھر کیونکر اپنے خیال کے خلاف اس فاش رکاکت کو جائز رکھا یہ نکتہ نظیر کی شاعری کا ایک لاینحل مسئلہ ہے، بہر حال اس غلطی کے ارتکاب کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی، عمداً یا سہواً کسی کے تتبع میں یا بطور خود جس وجہ سے بھی ہو یہ عیب کلام میں موجود ہے اور ہر حالت میں خود نظیر اس کے ذمہ دار ہیں۔

نظیر ہر لحاظ سے قطعی ہندوستانی شاعر ہیں۔ وہ ہندوستان کے باشندے ہیں اور ہندی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اپنے ولایتی ہونے کا دعویٰ کر کے لوگوں پر غلط اثر ڈالنا یا ان کو مرعوب کرنا نہیں چاہا۔ تحمل، بردباری، انکسار جو ہندیوں کے اجزائے سرشت ہیں وہ سب اُن میں موجود تھے، نظیر کی مادری زبان اُردو ہے اور اسی زبان کو انہوں نے اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ قرار دیا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ فارسی گوئی سے قاصر تھے بلکہ اس لئے

خالص ہندوستانی شاعر

کہ فطرت کا ودیعت کردہ پیغام انہیں ہندوستانیوں کو پہونچانا تھا اس لیے وہی زبان اختیار کرنی لازمی تھی جو پیغام سننے والوں کی تھی، وہ زبان نہ تو معرب ومفرس اُردو تھی نہ سنسکرت کے نامانوس الفاظ ملی برج بھاشا، بلکہ سیدھی سادی عام فہم ہندوستانی جس میں بھاشا اور اُردو دونوں کے معمولی معمولی الفاظ شامل تھے۔ فارسی میں بھی نظیر کا کلام نظم ونثر موجود ہے لیکن وہ اُردو کلام کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف ذاتی تفریح اور اپنی خاص صحبت کے ارباب علم کی ضیافت طبع کے لئے تھا، عربی فارسی اور ترکی زبانوں کو وہ بدیشی زبانیں سمجھتے تھے اس لئے ان پر انحصار کرنا اور اُن سے زیادہ مدد لینا انہیں گوارا نہ تھا۔ اِن دونوں زبانوں کے ثقیل الفاظ کے استعمال سے بھی وہ اجتناب کرتے تھے بلکہ حبّ وطنی یہانتک مجبور کرتی تھی کہ بھاشا کے الفاظ کی زیادہ تر ترویج اُردو میں کریں اور اس طرح انہیں مانوس بنائیں۔ جذبات ومحسوسات کے لحاظ سے بھی نظیر قطعی ہندوستانی شاعر ہیں، ہندوستان کے دریا، ہندوستان کے پہاڑ، ہندوستان کے مناظر، انہیں بہت گرویدہ کرتے اور ان کی بڑی دلچسپی کا سبب ہیں، وہ خیالی مناظر سے لطف اندوز نہیں ہوتے خیالی بہار کا سماں نہیں کھینچتے بلکہ ہندوستان کی برسات کی بہاریں اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور انہیں نظم کرتے ہیں۔ اُن کی تشبیہیں اُن کے استعارے ہندوستانی مناظر قدرت کی چیزیں ہیں اور ان کی مثالیں ہندوستانی زندگی

پر مبنی ہوتی ہیں، عرب کے خانہ بدوش بدوؤں کی پُر حرب زندگی اُن کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتی مگر ہندوستان کا امن کوش صحرانورد بنجارہ اُن کے دل پر گہرا اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ اسکی معاشرت سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کی تمثیل سے فوراً اپنی اعلیٰ ترین تخئیل کے لئے لباس تیار کر لیتے ہیں، ایرانی بادشاہوں کی عظمت وشان کے افسانے شعرا کے کلام میں عام طور پر مذکور ہیں، لیکن اکبر کی پرشکوہ زندگی اور ہندوستان کے دیگر سلاطین جلیل القدر کی شوکت وجبروت کا نقش نظیر کے قلب پر مرتسم ہے، دارا وسکندر، جمشید وفریدوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اپنے ملک کا عظیم الشان شہنشاہ اکبر فوراً یاد آجاتا ہے اور اس کی تلمیح وہ اپنے کلام میں قائم کر لیتے ہیں۔ ایران وعرب، بابل ونینوا، اور دیگر ممالک قدیمہ کے مشہور مقامات ہندوستانی شعرا کے نوک زبان سہی مگر نظیر اپنے وطن کے تاریخی مقامات کا رتبہ کسی طرح، چاہ بابل اور دیوار چین سے کم نہیں سمجھتے، وہ ہانسی حصار، چتور گڈھ، کالنجر کا ذکر کرکے سلف کے فراموش کردہ کارناموں کی یاد تازہ کرنا چاہتے ہیں۔

ذہنی گلستاں اور خیالی چمن انکے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتے کیونکہ اس قسم کی ہزاروں چیزیں ان کے دماغ میں موجود ہیں وہ ہمیں ہندوستان کے باغوں کی سیریں کرانا چاہتے اور وہاں کے ہر پھول کی خوشبو سے ہمیں مانوس کرنا چاہتے ہیں، بلبل ہندوستان کی سرزمین میں ناپید ہے اس لئے نظیر کو اس کی خیال

ہزار داستانی میں کوئی واقعی دلچسپی نہیں پیدا ہوتی، ڈھیر کی لرزاں آہیں، کوئل کی درد بھری کوک پپیہے کی پیہم نالہ وزاری، پی کہاں پی کہاں کی پُرالم صدائیں وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں اس لئے ان کی غمخواری پر آمادہ ہیں، لال، بیئے مینا، طوطی، کبک، تدروں کے دلکش ترانے اُن کے فطری ترنم کو محرک کرتے ہیں اور وہ اُن کی مسرتوں میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اُن کی بازی و اشتغال کے طائر سارے ہندوستانی ہیں، روزمرہ کی زندگی میں وہ نظیر کو طرح طرح سے لبھاتے ہیں، اور شعر کہتے وقت مثالیں اور تشبیہیں بنکر اُن کے سامنے آ حاضر ہوتے ہیں، ہندوستانی پھولوں کی عطر پاشیاں اُن کے دماغ کو ہر وقت معطر اور ان ہی پھولوں کی نظر پرور خوشنما رنگینیاں ان کی نگاہوں کو ہر لحظہ بشاش و خنداں رکھتی ہیں، راہیل، سیوتی، بیلا، چمیلی کی بھینی بھینی خوشبوئیں، چمپا کی مست مست نکہتیں، گلاب کے قرابے ہر وقت اُن کے لئے وقف ہیں، اُن ہی کنجوں میں متمکن ہو کر مبداء فیض سے وہ اپنا الہام حاصل کرتے ہیں اور اہل ذوق کی تفریح کے لئے وہیں وہ اسکو نغموں کی شکل میں منتشر کرنیکے لئے شعر کے سانچہ میں ڈھالتے ہیں، جاڑا گرمی، برسات خاص ہندوستان کے موسم ہیں اس لئے ان کو عزیز ہیں، اوس کی اذیت صرف ہندوستان میں ہوتی ہے اس لئے وہ اس کا ذکر کرنا اپنے ملک کی خصوصیت کا اظہار سمجھتے ہیں، بسنت ہندوستان کا موسمی تہوار ہے اسلئے انہیں مرغوب ہے، گو اہر تن خاص ہندوستان

کی مٹی کا بنا ہوا ہے اس لئے وہ اس کی سوندھ پر فدا ہیں، کورے برتن میں گنگا کا پانی پینا انہیں آب حیات سے زیادہ خوشگوار ہے اور اسی لئے وہ اس کو جام جمشید پر ترجیح دیتے ہیں۔

معاشرت نگاری

نظیر کا کلام ان کے زمانہ کی معاشرت کے ہر پہلو کے متعلق ہے، مغربی معاشرت کے ورود نے ہندوستانی طرز زندگی میں بڑا تغیر پیدا کر دیا ہے، نشست و برخاست کے قرائن، اکل و شرب کے طریق، رفتار و گفتار کے انداز، باہمدگر تعلقات و موانست کے قواعد، آداب مجالس غرض ہر قسم کے عوائد معاشرت پر بڑا اثر پڑا اور ان میں بہ نسبت پیشتر کے اب بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اس لئے فی زمانہ ہندوستان کی معاشرت ایک مخلوط شے ہے جس سے قدیم طرز زندگی کا بمشکل صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے، قدیم صحبتیں اور ان کے رونق دینے والے تو اب کہاں میسر ہاں ان کا ذکر خیر افسانۂ یاران کہن کی طرح کتب سیر یا اساتذہ قدیم کے کلام میں ضرور دستیاب ہو سکتا ہے، چنانچہ نظیر کا کلام اسی قبیل کی شاعری ہے جس سے معاشرت قدیم کے از یاد رفتہ حالات مستنبط کئے جا سکتے ہیں، ان کے کلام میں خالص ہندوستانی معاشرت کا تذکرہ ہے اور کسی نہ کسی پہلو سے معاشرت کے ہر شعبہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالی گئی ہے، نظیر کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کوئی شخص یہ خیال کرے کہ نظیر نے صرف مسلمانوں کی قدیم

معاشرت کا حال معلوم ہوگا، ایسا سمجھنا غلطی ہے، وہ ہندوؤں کی معاشرت
کے بھی اتنے ہی بڑے ماہر ہیں جتنے مسلمانوں کے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ہندو
شعرا میں ایسے بہت کم نکلیں گے جو ہندو معاشرت دانی میں نظیر کا مقابلہ
کر سکیں، اُن کی نگاہ کی وسعت انہیں ہر طبقہ کی حالت سے بخوبی واقف
رکھتی ہے، کچھ ہندو مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں بلکہ ہندوستان کی ہر قوم کی
معاشرت کو وہ یکساں طور پر سمجھتے ہیں، اُمرا کے طریق زندگی اُن کے
روزمرہ کے مشاغل، اِن کی دلچسپیوں تفریحوں کے اسباب، متوسط الحال
لوگوں کی طرز معاشرت، غربا کے عادات و اطوار، عام شہریوں کے لہو و لعب،
شہر کے مختلف پیشہ وروں کے چال چلن، اہل ہنود کے تیوہار، مسلمان اور ہندو
خواتین کے رسم و رواج، خانگی زندگی کی کیفیت، صوفی و فقرا کے خصائل،
آزادوں، بدمعاشوں، تماش بینوں کی بدوضعی، بھکڑوں کی عریانی، میلے
ٹھیلوں کی رنگ رلیاں، انکے علاوہ اور بہت سی باتیں، غرض معاشرت
کے جتنے کوائف ہیں سب کا کچھ نہ کچھ تذکرہ موجود ہے، پرانے زمانہ کے رسوم میں
بہت سے تو ایسے ہیں جن کے جاننے والے اب تک موجود ہیں، بہت سے
ایسے ہیں جن کا چرچا صرف ادنیٰ یا مبتذل طبقوں میں ہے شریفوں میں اِن کا
رواج ترک ہو چکا ہے لیکن بہت سے رسوم ایسے بھی ہیں جن کا عامل اب کوئی نہیں

بلکہ جاننے والے بھی ناپید ہو چکے۔ یہ رسوم تو اب قطعی مفقود سمجھنے چاہئیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جنکی صرف صورت بدل گئی ہے پہلے وہ کچھ تھے اور اب امتداد زمانہ سے بدل بدلا کر کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں مگر بہ صورت مبتدل قائم اور رجاری ضرور ہیں، بہرحال نظیر کے کلام سے ہر رواج کا سراغ بخوبی لگ سکتا ہے اور اگر کوئی شخص چھان بین پر آمادہ ہو تو تمام رسوم و رواج کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھ سکتا ہے مورخ معاشرت کے لیے نظیر کا کلام نہایت بار آور مرکز تلاش و تجسس ہے اور تاریخ تمدن کی ترتیب و تدوین کے لیے نظیر کے کلام سے نہایت پُر معنی اور نتیجہ خیز معلومات حاصل کیجا سکتی ہے۔

عاشقانہ انداز سخن اُردو زبان کے شعرا نے عام طور پر غزلیں زیادہ کہیں اور جہانتک ممکن ہوا اسی طرز سخن کو روز بروز ترقی دینے کی کوشش کی، طرح طرح کے مضامین پیدا کیے، بندشوں میں جدت پیدا کی، طرز ادا کے انوکھے ڈھنگ نکالے، ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عمق تخیل کے ساتھ الفاظ میں نہایت شستگی و دلفریبی پیدا ہوتی گئی مگر بایں ہمہ شاعری پر رنگ تغزل غالب رہا یہی وجہ ہے کہ آج عاشقانہ جذبات سے تو اُردو شاعری اس قدر مالامال نظر آتی ہے لیکن اساتذہ کے کلام میں بیانیہ کلام کا سرے سے پتہ ہی نہیں۔ شعرا متقدمین تغزل میں اس قدر منہمک رہے کہ اس طرف کبھی کسی نے توجہ ہی نہ کی ہاں کسی کسی نے مثنویاں لکھ کر اس طرز سخن کا کچھ کچھ حق ادا کیا ہے۔ لیکن مثنویوں میں بھی عشق و محبت

ہجر و وصال، سوز و گداز کا عنصر اس قدر زیادتی کے ساتھ موجود ہے کہ مثنوی کا منشا صحیح فروعی لوازمات میں خلط ملط ہو کر ایک حد تک مفقود سا ہو جاتا ہے۔
بہرحال واقعہ نگاری کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اساتذہ میں نظیر پہلا شخص ہے جس نے اس نوع کی شاعری پر خامہ فرسائی کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے کلام میں بیشتر حصہ بیانیہ نظموں ہی کا ہے۔ نظیر اس طرز خاص کے شیدائی ہی نہ تھے بلکہ اس کے بڑے ماہر بھی تھے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ موجد اپنی ایجاد کو تکمیل پر نہیں پہونچا سکتا بلکہ متاخرین اس کی کمی اور کوتاہیوں کو پورا کیا کرتے ہیں، نظیر کے معاملہ میں ایسا نہیں انھوں نے بیانیہ طرز سخن کو اُردو میں خود ہی پیدا کیا اور خود ہی اسکی تکمیل بھی کر دی۔ انہیں معاملہ بندی اور واقعات نظم کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ میلوں کی کیفیتیں اور ہندو مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی تقریبوں کو جہاں بیان کیا ہے ان کی معمولی سی معمولی تفصیل بھی نظر انداز نہیں کی۔
جس جگہ فصل کی دلچسپیوں اور موسم کی دلفریبیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہاں شاعرانہ رنگ آمیزی کے ساتھ اصلیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہر شعبہ کی ادنیٰ ادنیٰ چیز پر ان کی نظر ہے اور اس کو بیان کر دینے سے ان کے کلام کی زینت دوبالا ہوتی ہے، برسات کے موسم میں سبزوں پر جو بیر بہوٹیاں اور ٹیلوں پر دھتورے پیدا ہو جاتے ہیں وہ بھی ان کی باریک بین نظر سے نہیں بچتے۔ وہ جس صیغہ کو اٹھاتے ہیں ابتدا سے انتہا تک اس کے خصائص

نوعی کی چھان بین کر ڈالتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی نگاہ میں کتنی ہمہ گیری اور بیان میں کتنی وسعت ہے۔ واقعات کی مصوری کے لئے اول تو اس امر کی ضرورت ہے کہ جملہ مدارج پر شاعر کی نگاہ حاوی ہو دوسرے یہ کہ اسکو اپنے کلام پر بھی قدرت ہو۔ اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہوں تو مرقع کا ہیولی بہترین بن سکتا ہے۔ نظیر میں یہ دونوں خصوصیتیں کمال کے ساتھ موجود تھیں۔ واقعات واحوال عالم کی بصیرت و وقفیت کے علاوہ وہ زبان پر پورا عبور اور محاوروں پر بڑا تبحر رکھتے تھے، ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ تخیل کی رنگینی اور بیان کی سلاست و روانی انکے مرقع پر رنگ تکمیل کا کام کرتی ہیں اس پر نظم کی برجستگی و بیساختگی ادائے مطالب کی سہولیت و بے تکلفی کلام کی زیب و زینت پر اور چار چاند لگا دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جس قدر تصویریں کھینچی ہیں وہ ہر لحاظ سے مکمل اور ہر عنوان سے نظر فریب ہیں جن میں خط و خال کے اعتبار سے اصل و نقل کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ قوت بیان اور صورت گری میں نظیر، انیس کے ہم پلہ ہیں۔ یہ مملکت انہی دونوں سخنوروں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ قادر الکلامی کی وجہ سے بیان میں جو شیرینی و فصاحت ہے وہ حسن شعری کو دو افزوں کرتی ہے۔ ٹیگور کی نظموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ایک خیال کو بار بار دھرایا جاتا ہے۔ یہ التزام نظیر کے کلام میں عام طور پر ہے، مسدسوں اور مخمسوں کے آخری مصرعوں کا ہر بند میں اعادہ

زور شعر کو بڑھانا اور ایک قسم کا دلگداز ترنم پیدا کرنا ہے جس کا لطف صرف بار بار پڑھنے سے ہی آسکتا ہے۔

اخلاقی پہلو

نظیر کی قوت بیان دکھا کر اب ہم اُن کے کلام کو اخلاقی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں شاعرانہ زور طبیعت نے غیر معمولی بیباکی اختیار کرلی ہے۔ اُن کا مطالعہ شبہ سنجیدہ طبائع کو شاق گزرتا ہے لیکن قطع نظر اس کراہت دگرانی کے کلیات نظیر میں ایک بہت بڑا جزو ایسا بھی ہے جو بہترین خیالات سنجیدہ جذبات اور پاکیزہ نظریات سے مملو ہے۔ ہمارے پیش نظر اس وقت صرف یہی حصہ ہے اور اس تحت میں ہم صرف اسی سے بحث کرینگے۔ نظیر کے اخلاق کا سب سے زیادہ نمایاں جوہر اُن کی بے تعصبی ہے۔ اگر وہ کسی جگہ اسلامی معاشرت کے کسی صیغہ پر روشنی ڈالتے ہیں تو دوسری جگہ فوراً ہی ہندو سوسائٹی کے ہم رتبہ و ہم رنگ شعبہ کا تذکرہ اسی حیثیت سے کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک مصرع میں مسجد کا ذکر ہے تو دوسرے میں مندر کا تذکرہ لازمی ہے۔ جس طرح کسی منطقی قیاس میں مقدمہ کبریٰ کے بعد مقدمہ صغریٰ کا وجود اخذ نتیجہ کے لئے ضروری ہے اسی طرح نظیر کے یہاں درویشوں اور صوفیوں کی حالت رقم ہونے کے بعد ہندو جوگی اور تیاگی کا بیان ناگزیر ضروریات اخلاق میں سے ہے۔ نظیر نے اپنی شاعری میں ہندو مسلم جذبات

کا ایسا نازک توازن قائم رکھا ہے جس پر تفریق مذہبی کا بڑے سے بڑا حامی اور بدبیں سے بدبیں متعصب بھی اعتراض نہیں کر سکتا یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ نظیر اپنے مذہب میں بڑے راسخ الاعتقاد تھے۔ ایسی صورت میں اتنی کامل رواداری اور ایسی خالص بے تعصبی دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے، بادی النظر میں دونوں فرقوں کے افراد کے لئے باہمد گر نظیر کے مطمح نظر کی پیروی محال معلوم ہوتی ہے لیکن وحدت شناسوں کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ کاش ملک میں نظیر جیسے دو چار شاعر اور پیدا ہو جاتے تو آج ہندوستان کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

اب نظیر کے موعظانہ انداز کو لیجیے۔ نصیحت کرنے کے ہمیشہ دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالواسطہ دوسرا بلاواسطہ۔ نظیر نے اپنے کلام میں ان دونوں طریقوں سے کام لیا ہے لیکن اول الذکر کا صرف بہت زیادہ ہے۔ بلاواسطہ نصیحت کا اثر سننے والے پر محض ایک نظریہ کا سا ہوتا ہے نہ اسکی یاد دیرپا ہوتی ہے نہ اسکا اثر قیام پذیر۔ لیکن بالواسطہ نصیحت ہمیشہ نہایت کارگر ثابت ہوتی ہے۔ نظیر نے زیادہ تر بالواسطہ نصائح سے کام لیا ہے۔ انسانی فطرت کا مقتضا ہے کہ جب کوئی بات ممنوع قرار دیدی جائے تو اس کی طرف طبیعت خواہ مخواہ مائل ہوتی ہے اور اسکی خیالی دلچسپیاں خواہ وہ فعل اس سے قطعی معرا ہی کیوں نہ ہو طرح طرح سے دل لبھاتی اور استقلال پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن جب اسی چیز

اچھی طرح دکھا کر اور اس کے جملہ قبائح کی تفصیل بہ وضاحت پیش کر کے
اس سے احتراز کرنے کے لیے کہا جائے تو طبیعت فوراً قبول کر لیتی ہے
پس نظیر کو جب کسی معیوب شغل زندگی یا ملعون سیئہ معاشرت کی
برائیوں سے قارئین کو متنبہ کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے اس
فعل کا حسن وعین نقشہ کھینچتے اور اس کی تمام ظاہری دلفریبیوں کا ذکر کرتے
ہیں۔ جب اس کی سیمیائی نظر فریبیوں کی جملہ تفصیلات کی تشریح
کر چکتے ہیں تو نہایت دلپذیر پیرایہ میں اس کے معائب کی مکمل تصویر
پیش کر کے اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کرتے ہیں اس طرح پڑھنے والے
کے دل پر ایسا مستقل نقش قائم ہو جاتا ہے جس کو کوئی نشتیعانی ہوسہ
زائل نہیں کر سکتا۔ ڈرامہ اور بائیسکوپ (تصاویر متحرک) کے تماشوں کے
ذریعہ سے نصیحت کرنے اور نفسیات پر مستقل اثر ڈالنے کا طریقہ جو آج
عقلائے یورپ نے ایجاد کیا ہے وہ صدیوں پیشتر اس ہندوستانی سخنور کے
کلام میں مستعمل ہے۔ لقمان کی بابت مشہور ہے کہ وہ اپنے عارضی
مالک کو نصیحت کرنے کے لیے عرصہ تک مناسب موقعہ کا منتظر رہا۔
فصل کٹنے کا وقت اس کے نزدیک نصیحت کا بہترین محل تھا۔ اس لے
پوری قوت سے اپنا فرض انجام دیا اور اس کی نصیحت نے بالیقین اپنا
مستقل اثر چھوڑا۔ نظیر نفسیات انسانی کے ماہر بیناض تھے وہ کبھی

بے موقعہ نصیحت نہیں کرتے لیکن کسی موقعہ کو ضائع بھی نہیں جانے دیتے ۔
یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام کو قبولیت اور ان کی موعظہ کو پُر اثری کا فخر حاصل ہے۔ نظیر کے حکیمانہ پند و نصائح کی تفصیل تو کہاں تک دیجائے مگر بیکاری، خوش معاملگی، پاکبازی، خداترسی، باہمی ہمدردی، ایمانداری، وسیع الاخلاقی، صداقت کی تاکیدانہ تلقین، بخل، محبت زر، مکاری، دنیا پرستی، لہو بازی کی ہجو، اور سخاوت، شجاعت، منکسر مزاجی، خودداری کی تعریف غرض ہر قسم کی موعظہ حسنہ جس جس اسلوب سے کی ہیں اُن کی اہمیت میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔

لوکل کلر یا مقامی رنگ اُردو میں لوکل کلر یا مقامی رنگ کی رنگ آمیزی نظیر کی اولیات میں سے ہے ۔ یہ وہ عرض غیر منفک ہے جو کلام کے ساتھ مستقل طور پر وابستہ ہوتا ہے ۔ اس کا ایک لازمی خاصہ یہ ہے کہ کلام سے اس کی علیحدگی بہر نوع ناممکن ہوتی ہے ۔ اگر کوئی لوکل کلر اپنے مقام سے جدا کر لیا جائے تو اثر و لطف زائل کر دینے کے ساتھ ساتھ اس کی غایت مقصد اصلی کو بھی فوت کر دیتی ہے یعنی جس نتیجہ کی توقع کی جاتی ہے وہ برآمد نہیں ہوتا اس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا غالباً زیادہ درست ہوگا کہ لوکل کلر کی موجودگی میں نظم کی ساری بنیاد صرف اُسی پر قائم ہوتی ہے نظم یا فسانہ جو کچھ بھی ہو وہ مقامی خصوصیات کے ساتھ اس طرح مخلوط

ہوتا ہے کہ دوسرے ماحول میں اس کا وقوع محض ایک لایعنی سی بات ہو جاتی ہے۔ مثلاً نظیر کی "ہولی" پیش کی جا سکتی ہے، ہولی کا تہوار خاص ہندوستان کی سرزمین اور آب و ہوا سے وابستہ ہے انگلستان یا عرب میں اس کا وقوع ناممکن ہے وہاں کی موسمی کیفیات وہاں کے رسم و رواج اس کی اجازت نہیں دیتے اس لئے وہاں کے شعرا میں اس قسم کے جذبات جبلتاً پیدا نہیں ہو سکتے۔ اردو میں اس لطیف عنصر کا فقدان شاعری کے فطری شعبہ میں بڑی بدنمائی ہے۔ قدیم اساتذہ کے کلام میں تو اس کا استعمال قطعی نہیں لیکن اس زمرہ میں نظیر کی شاعری اس الزام سے بری ہے بلکہ غالباً نظیر ہی ایسا شاعر ہے جس نے اپنے وطن کی خصوصیات کو شاعری میں داخل کیا ہے، دیکھئے:۔

اس سیہ ابر میں یوں اڑتے ہیں بگلے جیسے
لبِ مالیدہ مسی میں دُرِ دنداں کی ضیا
جگنو اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقت سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف سے ہے گو پا جھڑ کا
مور کا شور، فغاں غوک کی، جھینگر کی جھنگار
پی پی ہے آن پپیہے کی ہے کوئل کی صدا

سیہ ابر میں بگلے کا اڑنا۔ جگنو کی چمک، غوک کی فغاں، جھینگر کی جھنگار

پپیہے کی پی پی، سب ہندوستان کی مقامی دلفریبیاں ہیں - اس کے ساتھ کمال یہ ہے کہ جن چیزوں سے ان کو تشبیہ دی گئی ہے مثلاً لب ما پیرہ مسی، ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف، وہ بھی خالص ہندوستانی چیزیں ہیں - واقعہ یہ ہے کہ یہ صنعت کسبی یا اختیاری نہیں بلکہ خالصتاً فطری اور حقیقی شاعر کا حصہ اور ناگزیر جزو طبیعت ہوتی ہے، اس لئے جو شخص جس مقام کا باشندہ ہے، اور ذرا بھی صحیح حس شعری رکھتا ہے وہ وہاں کے مناظر اور مابہ الامتیاز چیزوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا پس انہیں کیونکر نظرانداز کرے گا، لیکن اگر کسی شاعر کی نظر اپنے ملک کے خصائص پر کسی نہ کسی عنوان سے نہیں پڑتی تو اس کے مکمل شاعر ماننے میں ہمیں کلام ہے ظاہر ہے کہ نظیر نے کسی کے تتبع میں لوکل کلر اختیار نہیں کیا بلکہ یہ خیال ان کا طبعزاد تھا، اسی سے صاف ظاہر ہے کہ بعض صنائع شعری فطری ہوتے ہیں اور شعر سے اس طور پر ان کا علاقہ ہوتا ہے کہ حساس طبیعت انہیں خود بخود پیدا کر لیتی ہے -

لفظ ایلیگری یا تمثیل قریب قریب شاعری کا مرادف ہے - اس لئے

ایلیگری یا تمثیل کہ شاعری خود ایک قسم کی لفظی مماثلت ہے جس میں پسندیدہ الفاظ سے دلپذیر پیرایہ میں اصل واقعات کی تصویر کھینچی جاتی ہے، ایلیگری اور شاعری دونوں میں افکار مجردہ ہیولائی شکل میں نمودار ہوتے ہیں،

جس طرح پہیلی مطوّل تشبیہ ہے اسی طرح تمثیل ایک مطوّل استعارہ ہوتی ہے، ایلیگری، مصنف کے مطالب، دلائل، اور تلقین کو انسانی یا اور کسی مادی شکل میں ملبوس کر کے پڑھنے والے کے ادراک سے قریب تر کر دیتی ہے، اس طرح تجزیہ مفہوم کرنے اور الفاظ مرقومہ سے مطالب معنوی اخذ کرنے میں جو جہد ذہنی مشمول ہوتی ہے وہ بھی فی نفسہ نہایت دل آویز اور حیرت خیز ہو جاتی ہے، ایلیگری میں قصہ اور مفہوم معنوی ایک دوسرے کے متقابل ہوتے ہیں لیکن یہ تو شاذ بلکہ قریب قریب کبھی نہیں ہوتا کہ یہ تقابل جملہ مراتب میں مکمل رہے، پس ایک مسلسل اور مطوّل ایلیگری میں، ایلیگری عموماً فسانہ پر غالب آکر اس کی دلچسپی کو زائل کر دیتی ہے، بہر حال ہمیں اس وقت ایلیگری کی ماہیت اور اس کے تاریخی ارتقا پر بحث کرنی منظور نہیں، صرف اتنا دکھانا ہے کہ نظیر کے کلام میں یہ لطف ادب بھی موجود ہے اور لوکل کلر کی طرح یہ بھی ان ہی کا طبعزاد ہے۔ ایلیگری کا استعمال ہر قوم و ملت کی مذہبی و آسمانی کتب اور یونان و روم کے ادب قدیم اور دیگر ادب القدما میں بھی ہے لیکن اردو شعرا کو اس سے مس بھی نہیں۔ یوں تو تمثیلی نظمیں نظیر کے کلام میں متعدد ہیں لیکن بنجارہ نامہ، ہنس نامہ، اور خواب خاص دلچسپی کی چیزیں ہیں۔ اول الذکر دو نظمیں تو بہت ہی عمیق اور بلند پایہ تمثیلیں ہیں لیکن خواب میں کسی قدر رندانہ جھلک ہے تاہم اس میں بھی احوال دنیا کی نوری و گرگونی اور تماشہ گاہ عالم

کے سیمیائی جلوؤں کی بے ثباتی کا نقشہ نہایت لطیف و شاعرانہ انداز میں کھینچا ہے۔

بنجارہ نامہ میں نہایت مؤثر پیرایہ میں دکھلایا ہے کہ انسان حرص و ہوا میں مبتلا ہو کر حصول زر کی خواہش کرتا ہے اور اسی مدعا کو پورا کرنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کرتا اور قسم قسم کی تکالیف و صعوبتیں برداشت کرتا ہے لیکن اس عمل اور جد و جہد کے دوران میں وہ موت سے جس سے کسی حالت میں مفر نہیں بالکل بیخبر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ موت یکایک اس کو آ دباتی ہے اور اس کا تمام مال و جواہر، ساز و سامان، سیم و زر، عزیز و اقارب حتیٰ کہ اسکی اولاد تک اس کے کام نہیں آسکتی۔ یہ نظم نہایت دلگداز پیرایہ میں لکھی گئی ہے، اس کی بحر کے ترنّم میں ایسا درد پنہاں ہے جو دل پر ایک چوٹ سی لگاتا ہے، اس پر لطف یہ ہے کہ اول سے آخر تک نظم میں ایک مؤعظانہ انداز ہے تمثیل کے لئے بنجارے اور اس کی زندگی کا تلازمہ اختیار کیا گیا ہے، علاوہ اس کے کہ بنجارے کی تمثیل اہل ہند کو نصیحت کرنے کے لئے ایک حکیمانہ تلاش ہے، بنجارہ کا نام اور پیشہ کچھ فطرتاً ایسی رومانی و پُر فسانہ چیزیں ہیں جن کا ذکر آتے ہی، جد و جہد، سفر، بے سر و سامانی، قیام عارضی، خانہ بدوشی کے خیالات خود بخود سامنے آنے لگتے ہیں جن سے رحم کا جذبہ برانگیختہ ہوتا ہے اور جب ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس کی ساری کوششیں لاحاصل ہیں، جملہ مساعی

بے سود ہیں، اس کی پیہم جد و جہد مستقل سفر و بے سرو سامانی کا آخر میں اُسے کوئی ثمرہ نہیں ملے گا تو دنیا کے تمام مشاغل سارا انہماک ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے۔

ھنس نامہ میں، طیور کا تلازمہ ہے، مختلف اقسام متبائن عادات و خصائل کے باشندگانِ عالم کو مختلف النسل طیور کا مرادف و ہم طریق قرار دیا ہے، اس نظم میں بھی سلسلِ تمثیل ہے اور تمثیل کے جملہ مراتب فسانہ کے سم رتبہ مقامات پر حاوی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کے جملہ افراد کو باہمدگر، نہایت انس و محبت ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ جذبات اس قدر ترقی کر جاتے ہیں کہ یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ بغیر ایک دوسرے کے دیکھے کوئی چارہ نہیں بلکہ زیست محال ہے ہنس کی مجلسی نے سارے طائروں میں یہی خیال پیدا کر دیا تھا کہ اس کی فرقت برداشت نہ ہو سکے گی اس لئے سب نے اپنی اپنی ہمت کے موافق اس کی رفاقت کی کوشش کی لیکن سب تھک تھک کر رہ گئے

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

اسی طرح انسان جب اپنے وطن حقیقی کی طرف مراجعت کرتا ہے تو اس کی اولاد، عزیز و اقارب، دوست احباب اس کی جدائی کے خیال سے اپنا برا حال کرتے ہیں، اور کم از کم تھوڑی دیر کے لئے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی اسی کے ساتھ چلے جاتے کہ یہ رنج ہمیں دیکھنا نہ پڑتا۔

آخر کار ہر شخص اپنے تعلقات کے بموجب اس کے جنازے کو ایک خاص مقام تک پہنچا آتا ہے، کچھ لوگ نماز جنازہ پڑھ کر رخصت ہو آتے ہیں، کچھ قبرستان تک پہنچا کر چلے آتے ہیں، کچھ قبر میں اتار کر نکل آتے ہیں، کچھ دفن میں شامل ہو مٹی دے کر واپسی اختیار کرتے ہیں لیکن قبر میں کوئی ساتھ نہیں دیتا، وہاں سے ہنس بیچارا اکیلا ہی سدھارتا ہے، ہنس نامہ اول سے آخر تک نہایت عبرت انگیز نظم ہے، اس میں فریب محبت اور اس کے دل شکن انجام کا جیسا پُر درد مرقع پیش کیا ہے وہ قطعی غیر فانی ہے۔

ادب القدما میاں نظیر کا کلام اب اُردو ادبیات کے لئے ادب القدما کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادب قدیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ علاوہ قدیم ہونے کے وہ سادہ اور موثر ہوا کرتا ہے اس میں الفاظ کی شان و شوکت کم ہوتی ہے مگر معانی کا اثر کم زیادہ، نظیر کے کلام کی بھی بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں صاف، سیدھے، عام فہم مضامین نظم کئے گئے ہیں، شعری آرائشوں مثلاً تشبیہہ و استعارات کا اس حد تک لحاظ نہیں رکھا گیا کہ نفس مضمون پر اس کا اثر پڑے اور وہ ذہن سے بالکل مفقود ہی ہو جائے حسن بیان اور طرز ادا سے وہ کام لیا ہے جو تلازمہ و تلمیح کی ٹھونس ٹھانس سے لیا جاتا ہے، اسی باعث معمولی تشبیہوں میں خاص لطف اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے اثر و نتائج پیدا ہوتے ہیں، سادگی و عدم تصنع کے ماسوا، نظیر نے

روایات پارینہ و اساطیر قدیمہ کو جامۂ شعری پہنا کر اپنے جذبۂ قدامت پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ بھارت ورش کے واقعاتِ ماقبل تاریخ اور ہندو علم الاصنام کے نیم مذہبی فسانہ و حکایات کو جس خوبی و حسن عقیدت سے نظم کیا ہے ہمارے نزدیک فی زمانہ وہ کسی ہندو شاعر سے بھی ممکن نہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ہندو مذاق و تہذیب کی جو چیزیں ہیں وہ خالص اسی قدیم رنگ اور ٹھیٹھ اسی زبان میں منظوم ہیں، نظیر نے صرف سادہ واقعات کو ہی نظم نہیں کر دیا بلکہ ایسی کامل مصوری کی ہے جس سے ہزاروں برس بیشتر کی ہندی معاشرت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے، انہوں نے اپنے زمانہ میں اسلاف کی جس قدر تصویریں کھینچی ہیں وہ ساری ابھی تک اسی آب و تاب کے ساتھ باقی ہیں۔ حاصل کلام نظیر کے کلام میں، سادگی، عریانی، پر اثری، صداقت، ترنم غرض ادب قدیم کی جتنی مختص الشیوع خصوصیات ہیں سب موجود ہیں۔

شیکسپیر

شیکسپیر کی عظمت شاعری چونکہ مسلم الثبوت ہے اور چونکہ دنیائے مغرب میں وہ آسمان ادب کا روشن ترین ستارہ ہے اس لئے اردو کے انگریزی خوان ناقدین میں فی زمانہ یہ ایک فیشن سا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے موضوع تنقید شاعر کو شیکسپیر کا مقابل قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ نظیر میں ہر حیثیت سے شیکسپیر کا ہم پلہ ہونے کی اہمیت

ہے۔ اوّل یہ کہ گمنامی دونوں کی صفت مشترک ہے۔ جس طرح شیکسپیر کی قدردانی اس کی حیات میں نہ ہوئی اسی طرح یہاں نظیر اپنی زندگی میں زیادہ مشہور نہ ہوئے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں ہم اوصاف شعرا کے حالات و سوانح عمری اس قدر کم دستیاب ہوتے ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں شیکسپیر زبان کا بڑا زبردست ماہر تھا تو نظیر کو بھی اپنی زبان پر بڑا عبور تھا، دونوں نے الفاظ کا استعمال اس کثرت سے کیا ہے کہ دونوں زبانوں کے کسی شاعر نے اتنا نہیں کیا۔ دونوں کو ہمہ دانی، ہمہ گیری، نفسیات و معاشرت کے سمجھنے میں یدطولیٰ حاصل ہے دونوں ہر کیریکٹر کو اس کمال سے لکھتے ہیں کہ اس کی ضد ان ہی کی قلم سے اسی کمال سے لکھی ہوئی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے شیکسپیر نے ڈرامے لکھے ہیں لیکن نظیر نے ڈرامہ نہیں لکھے۔ ڈرامہ نویسی کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے کہ شاعر انسانی اطوار و اخلاق میں کامل بصیرت رکھتا ہو۔ نظیر کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان کی ہر رگ سے خوب واقف تھے اس لئے ان میں قوت ڈرامہ نویسی بدرجہ اتم موجود تھی۔ اگر وہ ڈرامہ لکھتے تو یقیناً ان کے کیریکٹر شیکسپیر کا مثنیٰ ہوتے لیکن افسوس یہ ہے کہ اہل اُردو کو اس کا مذاق ہی نہ تھا۔

اُردو میں ڈرامہ کا رواج نہ ہونے کے دو کافی وجوہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اہل ملک ڈرامہ سے ناواقف تھے دوسرے یہ کہ اصناف سخن میں کوئی صنف ایسی

نہ تھی جس کو ڈرامیٹک پوئٹری کا مرادف سمجھا جا سکتا، اس لئے اس طرز سخن کی عدم موجودگی نے اُردو میں ڈرامہ کی ترویج نہ ہونے دی۔ فی زمانہ اس شعبہ میں کوششیں ہو رہی ہیں لیکن انہوں نے ابھی وقیع ادبی صورت اختیار نہیں کی۔

تقدیم و تاخیر کلام

یورپ کے ادیبوں میں ایک زمانہ سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ وہ لوگ اپنے شعرا کا کلیات باعتبار تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ اول تو وہاں کے تمام شعرا خود ہی اس کا خیال رکھتے ہیں لیکن جن اساتذہ کے زمانہ میں یہ طریقہ مروج نہ تھا ناقدین و تبصرہ نگاروں نے اپنی کوششوں سے ان کے کلام کو بھی اسی طرح ترتیب دے لیا ہے۔ اس کے بہت فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک بین فائدہ یہ بھی ہے کہ کلام کے بالاستیعاب مطالعہ کرنے والے کو شاعر کی ذہنی ترقی کا حال بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ تو مسلّم ہے کہ عمر و تجربہ کے ساتھ ساتھ کلام میں زور اور خیالات میں پختگی و سنجیدگی پیدا ہوتی جاتی ہے پس تاریخ وار ترتیب سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس زمانہ کا کلام دیکھنے کو دل چاہے فوراً وہیں نکال کر دیکھ لیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ التزام اس حد تک کیا جاتا ہے کہ نظموں کی تاریخیں بھی عنوان کے ساتھ ساتھ لکھ دی جاتی ہیں۔ باوجود حالات کی نایابی کے شیکسپیر کے کلام کی اس قدر چھان بین کی گئی ہے کہ یہ بھی پورے طور پر تحقیق ہو گیا ہے کہ کون سا ڈرامہ شاعر نے

کس حصۂ عمر میں لکھا بلکہ ایک ہی حصۂ عمر کے کئی ڈراموں میں باہمد گر تقدیم و تاخیر
بھی معلوم کر لی گئی ہے یہ زندہ اور قدر دان قوموں کے علمی کارنامے ہیں لیکن
اہل ہند بھی اگر اپنے اساتذہ کا کلام اس طرح مرتب کرنا چاہیں تو کوئی بڑی
بات نہیں۔ محض غزل گو شعرا کے کلام میں تو یہ کسی قدر دشوار ہوگا لیکن
نظیر کے یہاں جہاں مستقل عنوانات پر نظمیں کثرت سے موجود ہیں نفس
مضمون کی شہادت و رہنمائی سے نظموں کی تقدیم و تاخیر تحقیق کرنا زیادہ
مشکل نہیں۔ لیکن اس کام میں بڑی محنت و جانفشانی، تلاش و جستجو
تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے اور یہ کسی فرد واحد کا کام بھی نہیں۔ ہم نے اس
باب میں کسی قدر کوشش کی لیکن راہ کی دشواریوں اور پیچیدگیوں کو
دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی آخر مجبوراً اس ارادہ کو ملتوی کرنا پڑا۔
ایک وجہ نظر اندازی یہ بھی ہے کہ اس چھوٹے سے رسالہ میں ایسی دقیق و
وسیع علمی تحقیقات کی گنجائش بھی نہیں۔ یہ کام بڑے پیمانہ پر شروع کرنے کا ہے
لیکن اس شعبہ میں کسی طرح کامیابی سے ناامیدی نہیں، لہٰذا اس وقت صرف
اس عنوان سے روشناس کرا کے ہم اس کام کو آئندہ نا قدرین کلام نظیر
کے لئے چھوڑتے ہیں۔

باوجود اس گمنامی و ادبی کس مپرسی کے نظیر کے کلام کو جیسی مقبولیت
مقبولیت | حاصل ہوئی وہ بہت کم شعرا کو میسر ہوتی ہے۔ عوام الناس کو

ان کے کلام میں جیسی دلچسپی ہے دوسرے شعرائے متقدمین یا حال کے کلام میں نہیں۔ تعلیم یافتہ، جہلا، ارباب نشاط، اہل ہنود میں مختلف خیال، مشاغل و معاشرت کے لوگ غرض ہر قسم کے لوگوں کی زبان پر نظیر کا کلام کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ لوگ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ان کی زبانوں پر کس کا کلام ہے یا یہ کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں اسے شعر کہتے ہیں۔ اگر کسی کو شعر صحیح طریقہ پر یاد نہیں تو وہ اپنے طور پر توڑ مروڑ ہی کر پڑھتا اور اس سے لطف اٹھاتا ہے اور موقع بے موقع اس کا حوالہ پیش کرتا ہے۔ لیکن جو اتنا بھی کرنے سے قاصر ہے تو کم از کم شعر کا خیال ضرور اس کے ذہن نشین ہے اور مناسب جگہ وہ اس کو مثل کی صورت میں دھرا بھی دیتا ہے۔ اکبر آباد اور دیگر شاہی شہروں کے قدیم شریف گھرانوں کی پردہ نشین خواتین نظیر کے کلام کی بہت بڑی محافظ ہیں۔ حرم کے اندر نظیر کے اشعار یا ان کی نظموں کا مذہبی نظموں اور مناقبوں کو چھوڑ کر اتنا چرچا نہیں لیکن مثالیں، کہاوتیں اور کلیے جو ان کے کلام سے مستنبط ہوتے ہیں عام طور پر بی بیوں کے زبان زد ہیں۔ اس ضمن میں میاں نظیر امیر خسروؒ کے شرکت دار ہیں۔ جس طرح ان کی پہیلی اور کہہ مکرنیاں شریف خاندانوں میں تفریح و تفنن کے لئے مروج ہیں اسی طرح نظیر کی کہاوتیں، مثلاً "غریب کی جورو سب کی بھابی"، کوڑی نہیں تو

کوڑی کے پھر تین تین ہیں" عام طور پر مستعمل ہیں۔ عورتوں کو یاد ہونا قبولیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ان جملہ باتوں کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ نظیر نے اپنی جادو بیانی سے قلوب کو تسخیر کیا اور ان کا سحر اثر کلام دلوں کا مالک ہے، باوجود شاعر کے نام و نشان سے ناواقف ہونے کے اس کا کلام لوگوں کے طبائع پر حاوی ہے اور دلوں کا جزو بنا ہوا سینوں سے لگ رہا ہے۔ آہ یہ حافظانِ کلام نظیر امتدادِ زمانہ کے ساتھ روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں اور نظیر کے ریزہائے دل و جگر ان کے ساتھ پیوند خاک ہو رہے ہیں نظیر کے کلام کی کثرت اور ہمہ گیری دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی

کثرت کلام طاقتِ گویائی اتنی غیر معمولی تھی کہ اس نے انہیں زیادہ گو شاعر بنا دیا۔ اردو کلام کے علاوہ فارسی کا غیر مطبوعہ کلام بہت سا موجود ہے جس سے دنیا ابتک روشناس نہیں ہوئی۔ اس میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں سہ نثر ظہوری کے انداز پر جو نثر میاں نظیر نے لکھی ہے وہ نثر ظہوری کا نمونہ اور آپ اپنی نظیر ہے۔ باوجود اس زیادہ گوئی و کثرت کلام کے ان کے کلام میں سلاست و روانی ایسی موجود ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موزوں کرنے میں انہیں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی اور نہ کوئی خاص سعئ ذہنی کرنی پڑتی تھی، "حکیم سخن برزباں آفریں" نے ان کا دماغ ہی موزوں بنایا تھا اور اس موزونیت کا یہ عالم تھا کہ نثر غالباً زبان سے نکلتی ہی نہ تھی

ایسی ازلی موزونیت ہیں ان کا شاعری پر سحر کی سی قدرت رکھنے کا راز پنہاں ہے۔

تضیع کلام

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر کا کلام بہت کچھ ضائع ہو گیا لیکن جو کچھ باقی رہا وہ بھی پورا طبع نہیں ہوا۔ کلیات کے علاوہ بہت سی نظمیں اور ہیں جو انھوں نے لوگوں کو کہہ کہہ کر دیدیں اور پھر اُن کا کبھی نام بھی نہیں لیا۔ فقیر، خونچہ والے اور پیشہ وران سے بہت سی نظمیں کہوا کہوا کر لے گئے، جن کا کلیات میں پتہ بھی نہیں۔ نظیر کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس آکر کسی مضمون پر کہنے کی فرمائش کرتا تو فوراً کہہ کر اسی وقت اسے دیدیا کرتے تھے، یہ لوگ اِن نظموں کو بیچا کر تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھتے تھے۔ بہر حال اس قسم کی کسی نظم کا اندراج کلیات میں نہیں اور یہ چیزیں قطعی ضائع ہو جانے کے برابر ہیں۔ میرے ایک بزرگ جنہیں میاں نظیر کے صاحبزادہ خلیفہ **گلزار علی اسیر** سے شرف تلمذ حاصل ہے، بیان فرماتے تھے کہ اُنہیں محلہ ڈھولی کھار میں ایک بوڑھا شخص ملا جو میاں نظیر کی ایک نظم پڑھا کرتا تھا یہ نظم اس نے خاص اپنے لئے کہوائی تھی۔ اس کا قصہ اس نے اس طرح بیان کیا کہ جب میں جوان تھا مجھے ایک عورت سے عشق سرزد ہوا۔ جب میں اس محبوبہ کی محبت میں بہت بیچین ہوا اور اس کا فراق مجھ سے کسی طرح برداشت نہ ہو سکا تو میں میاں نظیر کے پاس تاجگنج گیا اور اُن سے

اپنا حال دل بیان کرکے چارہ گری کی خواہش کی۔ میاں نظیر نے مجھے یہ نظم کہہ دی۔ چنانچہ جب مجھے درد ہجر بہت ستاتا اور بے چین کرتا تو میں اس نظم کو پڑھا کرتا تھا اس سے مجھے ایک گونہ تسکین ہوجاتی تھی۔ اس بوڑھے عاشق کی جوانی اور اس کا ولولۂ محبت اور جوش جنوں تو اب خود اسی کی زندگی کے لئے ایک بھولا ہوا خواب، ایک افسانۂ پارینہ بن گیا تھا مگر ایام عشرت کی باقیات صالحات وہ فراقیہ نظم یادِ ایام کی حیثیت سے ابتک اس کی زبان پر تھی جسے وہ ابتک اسی لطف سے پڑھ پڑھ کر قریب آرزو کو یاد کیا کرتا تھا۔ نظیر کے عہد زریں کی زندہ یادگار، قدیم رنگیں صحبتوں کا نام لیوا، پیر فرسودہ، آہ نظیر کی مجلس جاوداں میں جا پہونچا اور اب ان سے عشق حقیقی کا راز دریافت کررہا ہے لیکن وہ فراقیہ نظم جو ایک عرصہ تک اس کی مونس تنہائی، اور غمگسار رفیق بنی رہی تھی، عاشقانِ ساوی کی دلدہی اور دلسوزی کے لئے اسی کے ساتھ دنیا سے اٹھ گئی۔ پروفیسر شہباز کا قوم و ملک اور اردو پر خصوصاً بڑا احسان ہے کہ انہوں نے غیر معمولی تکلیفیں اٹھا کر اور طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا کرکے کلام نظیر ایک جگہ صحت کے ساتھ جمع کردیا اور اُن کے سوانح عمری جو کچھ مہیا ہوسکے زندگانی بے نظیر میں جمع کرکے ملک کے مردہ شاعر کو زندہ کردیا ورنہ رہا سہا کلام بھی ضائع ہوجاتا اور سوائے کف افسوس ملنے کے کوئی چارہ باقی نہ رہتا۔

تخریب کلام

نظیر کے کلام کی جیسی روح فرسا تخریب کی گئی ہے وہ نہایت افسوسناک ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ کلام سے لوگ بے خبر رہے کیونکہ بہت سے اڈیشن موجود ہیں لیکن کلام کا حشر ایسا کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر بڑا درد محسوس ہوتا ہے۔ شاعر کی دماغی کاوشوں کی داد جس عدیم المثال تغافل سے دیگئی ہے وہ ملک کے لیئے نہایت شرم انگیز ہے جتنا کچھ کلام باقی ہے اور میسر ہو سکتا ہے وہ بھی بہت زیادہ غلط ہے نہایت مضحکہ انگیز غلطیاں موجود ہیں جنکو دیکھ کر پہلے ہنسی اور پھر غصہ آتا ہے۔ افسوس ہے کہ چھاپنے والوں نے ذرا صحت کا خیال نہیں کیا جیسا ہاتھ لگا غلط سلط چھاپ ڈالا۔ بہت سی غلطیاں تو ایسی ہیں جو امتداد زمانہ، دوری عہد نظیر کی وجہ سے پیدا ہوئیں لیکن بہت سی ایسی بھی ہیں جو محض مطابع اور کتابت کے باعث رونما ہو کر مستقل بن گئیں۔ اب صحت بہت دشوار کام ہو گیا ہے۔ ہم نے صحت کی بہت کوشش کی ہے لیکن پھر بھی بہت سے شبہات باقی رہ گئے ہیں۔ شہباز کا مرتبہ کلیات اس وقت کلام نظیر کا بہترین اور مستند مجموعہ ہے لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ اس میں بھی غلطیاں موجود ہیں۔ اس سے شہباز مرحوم کی لیاقت یا ساعی پر معاذاللہ کسی قسم کا اعتراض منظور نہیں صرف اشکال صحت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ شہباز مرحوم کے یہاں غلطیاں رہجانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اکبرآباد کے باشندے نہ تھے

اس لئے یہاں کی زبان کی حالت اور مقامی اصطلاحات سے انہیں واقفیت
نہ تھی۔ نظیر کا کلام اس قدر غلط اور خلط ملط ہو جانے کی ذمہ دار ملک کی
عام بدمذاقی، اہل علم کا تغافل، کاتبوں کا جہل اور لاپروائی، مطابع کی زرپسندی
اور زرافض سے بیخبری ہے۔ ایسے مہتم بالشان شاعر کا کلام کھو بیٹھنے اور غلط کر دینے
کا ملک کے دامن پر ایسا بدنما دھبہ ہے جو ابدالآباد یا اس وقت تک جب تک
کلام کی قرار واقعی تصحیح نہ کر لے اس کے دامن سے نہ دہلے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

نظیر کی زبان اکبرآباد کی خالص قدیم زبان ہے اور یہی ٹکسالی اردو
ہے۔ فی زمانہ آگرہ میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ نظیر کی زبان کی ترقی یافتہ

اکبرآباد کی قدیم زبان۔

صورت ہے۔ نظیر کی زبان کو لکھنؤ دہلی کی زبان سے
کوئی علاقہ نہیں اور نہ وہ کسی ضرورت میں ان مقامات کی
زبان کی دست نگر ہے چونکہ نظیر متقدم اور بہت پرانے زمانہ کے شاعر ہیں
اس لئے یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان کی زبان جنس عالی ہے اور دیگر مقامات
مدعیان زبان کی زبانیں اس کی انواع۔ یہ بین ہے کہ لکھنؤ دہلی کے اساتذۂ متاخر
نے آنکھ کھولی کہ جس زبان کو دیکھا وہ نظیر کی زبان تھی، پس اسی کو اصل
قرار دیکر اسی میں ترمیمیں اور اصلاحیں کیں اس لئے لکھنؤ دہلی کی شستہ
زبانیں اکبرآباد کی قدیم زبان کی ارتقائی شکلیں ہیں لہذا نظیر کی زبان کو
خاندان اردو میں وہی مرتبہ حاصل ہے جو اردو شعرا میں ولی رح اور ہنی نوع

انسان میں حضرت آدم کو بھی تاریخ زبان مرتب کرنے کے لیے اگر کوئی شخص قدیم زبان اُردو کا پتہ لگانا چاہے تو کلام نظیرؔ اس کی پوری پوری رہبری کرے گا اور یہاں سے اس کی جملہ اغراض پوری ہو سکیں گی۔ اکبر آباد کی ڈیڑھ صدی پیشتر کی زبان کا سراغ صرف نظیرؔ کے کلام سے لگتا ہے اور چونکہ کلام کثرت سے ہے اس لیے ایک ہی جگہ بہت کافی سرمایہ تحقیق و تفحص اور ہر قسم کے نمونے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کا استعمال اس کثرت سے ہے کہ اُردو کا بڑے سے بڑا شاعر سوائے میر انیسؔ رح کے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ طیور کے نام، کبوتروں کی قسمیں، اہل ہنود کی مذہبی اصطلاحیں، پیشہ وروں کے ہتھکنڈے، لہو و لعب کی مصطلح غرض ہر رنگ کے الفاظ اور پھر اُن کے مرادف اس کثرت سے ہیں کہ اُردو کو نامکمل اور محتاج زبان کہنا غلط معلوم ہونے لگتا ہے۔ نظیرؔ کے کلام سے قدیم الفاظ کی ایک اچھی خاصی لغت تیار ہو سکتی ہے جو نہایت کارآمد ہو۔ الفاظ کی کثرت اور لغت دانی میں نظیرؔ عربی اساتذہ کے ہم پلہ ہیں۔

نظیرؔ اُردو کے ایام طفولیت کے شاعر ہیں۔ اس زمانہ میں شعراء کے پاس الفاظ کا ذخیرہ بہت کم تھا۔ اس لیے جو لوگ صاحب نظر و استعداد تھے **زبان پر اجتہاد** وہ حسب ضرورت دوسری زبانوں کے مناسب الفاظ تلاش کر کر کے موزوں کر لیتے تھے۔ یہی ضرورت نظیرؔ کو بھی درپیش تھی۔ انہوں نے بھی اپنی ضروریات کے لیے نئے نئے الفاظ وضع کر کے زبان پر اجتہاد کیا۔ مرادف تلاش

کرنے میں انہیں بڑی قدرت تھی اور یہ کمال انہیں ہر زبان میں یکساں تھا۔ فارسی عربی الفاظ کے لئے بھاشا سے اور بھاشا کے لفظوں کے واسطے فارسی سے اتنا موزوں مرادف ڈھونڈھ لاتے ہیں جس کو دیکھ کر بیساختہ مُنہ سے واہ نکل جاتی ہے۔ اجتہاد زبان وعروض کی بہت سی مثالیں میر و دیگر اساتذۂ متقدمین کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ نظیر کے کلام میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو اب نئے اور عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ نظیر کے وضع کردہ محاورے اور الفاظ کثرت سے ہیں۔ اُن میں سے بہت سے تو مقبول ہو کر زبانوں پر چڑھ گئے اور زبان کا جزو بن کر اس طرح مخلوط ہو گئے کہ اب تمیز بھی نہیں کئے جا سکتے لیکن یہ چند الفاظ جو اب نئے سنے معلوم ہوتے ہیں فی الحقیقت وہ وضع شدہ الفاظ ہیں جو کسی وجہ سے عام نہ ہو سکے اور صرف اُن ہی کے کلام تک محدود رہے۔ پس چونکہ فی زمانہ مستعمل نہیں ہیں اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اِن الفاظ کو کم نظر غلطی اور اہل بصیرت اجتہاد کہتے ہیں۔ پس اس بنا پر نظیر کے کلام کو جدید معیار زبان لکھنؤ و دہلی سے جانچنا غلطی ہے۔

نظیر نے اپنے کلام میں ادبی، کولوکل یا روزمرۂ اور سلینگ یا بازاری و مبتذل تین قسم کی زبانوں کا استعمال کیا ہے۔ ادبی زبان میں تو انہوں نے زیادہ تر عربی فارسی کے مانوس الفاظ پر اکتفا کی ہے اور یہ زبان پاکیزہ خیالات اور سنجیدہ جذبات اظہار کرنے کے لئے تجویز کی ہے، لیکن روزمرہ میں انہوں نے

جگہ جگہ اجتہاد کیا ہے۔ یہاں ہندی کے الفاظ کا دل کھول کر استعمال کیا ہے فارسی محاوروں کا ترجمہ اور مورد الفاظ کی ترویج بھی اِنہی صیغہ میں کی گئی ہے۔ اب رہی سلینگ یا بازاری زبان اسے وہ غیر سنجیدہ اور عریاں موقعوں پر استعمال کرتے ہیں۔ میلے ٹھیلے۔ لہو ولعب، عوام الناس کی ہر قسم کی بُری بھلی صحبتوں میں وہ اِس زبان کو بولتے ہیں اور یہ ہر طرح جائز ہے۔ زبان کی ایسی عالمانہ تقسیم اور ہر موقعہ پر مناسب حال زبان کا استعمال نظیرؔ کی ایجاد اور اُن کے مجتہدانہ کمال کا بین ثبوت ہے۔

زبان پر احسان نظیرؔ کا اُردو زبان پر بڑا احسان ہے۔ اس معاملہ میں سب سے پہلے انکی دور بینی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ انہوں نے کتنے عرصہ پہلے تاڑ لیا کہ یہ زبان جسکی اب ابتدا پڑ رہی ہے ایک دن ہندوستان کی علمی اور دفتری زبان بن کر رہیگی اِس بصیرت مستقبل کے ساتھ اُردو کی کم مائیگی اور بے بضاعتی بھی اِن کے پیش نظر تھی اِس لیئے انہوں نے اپنی تمام کوششیں اس زبان کو وسیع اور سرمایہ دار بنانے کے لئے وقف کر دیں اُن کا کلام شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی اور اپنے زمانہ کی زبان کو اسقدر وسیع کر لیا تھا کہ انہیں الفاظ کی کمی محسوس نہ ہوتی تھی اور اس وجہ سے وہ کوئی خیال کسی انداز سے ادا کرنے میں قاصر و عاجز نہ تھے۔

اُردو کو وسیع کرنے کے لیئے فطری اعتبار سے انہوں نے ہندی کو زیادہ مناسب زبان خیال کیا۔ چنانچہ بھاشا کے موزوں اور عام فہم الفاظ چھانٹ چھانٹ کر

استعمال کرنا شروع کئے اور عبارت میں اس خوبی سے کھپائے کہ سیاق عبارت سے اُن کے معانی و مطالب خود بخود پیدا ہوتے ہیں۔ اِس حسن استعمال سے دو فائدے ہوئے۔ اوّل تو یہ الفاظ بہت جلد مل جل گئے دُوسرے سامعہ کو ناگوار نہ معلوم ہوئے۔ نئے الفاظ کا سامعہ کو ناگوار معلوم نہ ہونا اُن کے جزو زبان بنجانے کی بہت بڑی شہادت ہے۔ بھاشا کے الفاظ کی معرفی کے پہلو بہ پہلو نظیر نے عربی فارسی کے ثقیل الفاظ کو ترک بھی کرنا شروع کیا۔ فارسی سے انہوں نے محاوروں کے معاملہ میں مدد لینی زیادہ مناسب سمجھی۔ فارسی محاوروں کا ترجمہ اُن کے کلام میں بہت دستیاب ہوتا ہے۔ زبان کی ضرورت کو اس حد تک سمجھنا اور اس کی ضروریات پوری کرنے پر اتنا قادر ہونا معمولی آدمی کا کام نہیں۔ کوئی شاعر جب تک خاص لسانی ملکہ اور مختلف زبانوں پر کامل تجربہ نہ رکھتا ہو اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر پر نہیں لے سکتا۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ نظیر کتنے بڑے ماہر لسانی تھے اور اُن کو رموز فصاحت و بلاغت سے کس درجہ واقفیت تھی۔ ناما نوس کو مانوس بنا کر پھر بھی کلام میں روانی و سلاست کوٹ کوٹ کر بھر دینا ان ہی کا حصّہ تھا

قومی شاعر ہے محض ادبی نہیں

غالب اور بیدل کی طرح نظیر خالص ادبی شاعر نہیں بلکہ اسکاٹلینڈ کے مشہور شعرا سکوٹ اور برن کی طرح قومی مغنی ہیں۔ غالب و بیدل کے مانند ان کا موضوع فلسفہ

اور تصوف نہیں وہ عریاں میں پوشیدہ کو نہیں ڈھونڈتے بلکہ انسان کو بہترین مظہر حقیقت والوہیت سمجھتے ہیں اس لئے ان کا موضوع جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے انسان اور اُس کی معاشرت ہے۔ نہ وہ ان شعرا کی طرح مشکل پسند ہیں بلکہ ان کا کلام معمولی فہم کی دسترس سے بھی باہر نہیں وہ بالخصوص عوام کے شاعر ہیں اور ان ہی کے جذبات و حسیات کی ترجمانی اپنا فرض اولیں سمجھتے ہیں۔ باوجود کوئی قدیم مثال سامنے نہ ہونے کے ان کی تیز نگاہوں نے کائنات اور انسان کا سچا تعلق معلوم کر لیا، اس انکشاف نے ان کی ذہنی قوت اور بڑھا دی اور پھر انہوں نے اپنے تئیں نفسی تحقیقات کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا صداقت اور دلکشی اُن کے شاعرانہ خصائص ہیں لیکن شاعرانہ حیثیت سے نہیں بلکہ انسانی حیثیت سے وہ ہمارے لئے زیادہ دلچسپ اور موثر ہیں نظیر کی روح حقیقی شاعرانہ روح ہے، اس کو صرف چھیڑ دینے کی ضرورت ہے اس سے نغمہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ چھیڑنے کے لئے کسی خاص مضراب کی حاجت نہیں فطرت کا معمولی سے معمولی جزو حتیٰ کہ ایک نفس انسان اُن کے لئے مستقل حسن ہے۔ نظیر کو خصوصاً اُس وقت دیکھو جب کہ وہ اپنی مرغوب جماعت سے مخلوط بالطبع ہوتے ہیں۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی سرگرم، ہمہ گیر انسانی ہمدردی کا کیا عالم ہے، اُن کی بے اعتمادی، نامحدود محبت کا کیا رنگ ہے اور وہ اپنے محبوب خاص انسان کے لئے کیسی کیسی فیاضیاں کر سکتے ہیں۔

اُن کا شہری دوست اور گندم رنگ دوشیزہ اُن کے لئے ذلیل اور معمولی نہیں بلکہ ہیرو اور ملکہ ہیں جن کی وہ بادشاہوں سے زیادہ عزت کرتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ انسانی قلوب کی پُر اسرار صناعی اور مقدرات کی ناقابل قیاس ظلمت و ضیا کے مظہر صرف بلند منزلت کاخ وایوان ہی نہیں بلکہ اُن کا اظہار ہر جھونپڑے میں جہاں انسان بستا ہے ہوسکتا ہے۔ ہم نظیر کو عوام کی صحبتوں میں دلچسپی لیتے، ہنستے بولتے، ملتے جلتے، اُن کے مشاغل میں حصہ لیتے اور ان ہی کی زبان بولتے دیکھتے ہیں لیکن ان کے روزمرہ میں رکاکت و ابتذال نہیں کسی موقعہ پر وہ عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کو جو ان کی شریف بشریت کے عناصر ہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ پس اس بالغ نظری اور صفائی قلب کو ہم اُن کے کمال کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

نوائے آزادانہ

نظیر کے دربار کا دروازہ چونکہ ہمیشہ وا رہتا تھا اور ان کی صحبت ہر شخص کے لئے صلائے عام تھی اس لئے وہاں ہر رنگ کا آدمی حاضر ہوتا تھا۔ چونکہ یہ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں اور غربا کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے اس لئے یہ لوگ بھی اُن کی خدمت میں خاص طور پر گستاخ تھے چنانچہ فقیر ان سے مناقبیں قلندر صدائیں اور خیری کے خونچہ والے لٹکے کھوا کھوا کر لیجایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کے بہت سے کلام کی نوائے آزادانہ اور قلندرانہ ہے۔ اس قسم کی نظمیں خاص طور پر طویل اور مترنم بحروں میں ہیں تاکہ گانے

میں سہولت ہو اور لے کے ساتھ خوب پڑھی جائیں۔ نظیر کا کلام اکبر آباد و مضافات اکبر آباد کے خصوصاً اور ملک کے عموماً فقیروں کی زبان پر ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ بنگال کے فقیروں کو بھی ان کا کلام بہت یاد ہے فقیروں کو جو گاتے ہیں اور بھجن سے میاں نظیر کے یاد ہیں وہ ایسے حسب حال اور پُر اثر ہیں جن سے خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ یہ فقیر اب بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اور جو کچھ ہیں وہ چراغ سحری ہو رہے ہیں۔ ہر چند یہ کلام سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آرہا ہے لیکن اس طریقہ میں اول تو کلام کی صورت بہت کچھ بدلتی جارہی ہے دوسرے فقیروں کی تعداد بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ پھیری والے پیشہ وروں اور خونچہ والوں کو بھی نظیر کا کلام جسکی لَے آزادانہ ہے کافی یاد ہے۔ یہ لوگ اسے گا گا کر اپنی چیزیں بیچتے ہیں جس کی وجہ سے خوب بکری ہوتی ہے۔ مشتہر کرنے کا اتنا مؤثر اور فطری طریقہ نظیر کی ایجاد ہے۔ آگرہ میں گا گا کر سودا بیچنے اور لے کے ساتھ چیز کا اعلان کرنے کا طریقہ غالباً نظیر کے وقت اور ان ہی کی نظموں کی بدولت پڑا۔ آگرہ کے چورن بیچنے والوں کو جو خونچہ لگاتے ہیں نظیر کے ٹکڑے بہت سے یاد ہیں جو نہایت پُر لطف اور سامعہ نواز ہیں

متروکات معائب

مردہ زبانوں کا تو خیر کوئی ذکر نہیں البتہ جو زبانیں زندہ ہیں یعنی جن کی بولنے والی قومیں روئے زمین پر موجود ہیں ان میں روزمرہ تبدیلیاں آئے دن اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگر نوشیرواں کے دربار کا

کوئی امیر اس وقت زندہ کر دیا جائے تو وہ ایران کی موجودہ زبان سے بہ مشکل
کوئی مطلب سمجھ سکے گا۔ نظیر کے زمانہ سے اس وقت تک زبان اُردو میں
بڑی بڑی ترمیمیں اور تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری
ہے سینکڑوں الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جو اب قطعی متروک ہیں، اسی طرح
نظیر کے کلام میں جو بہت سی ترکیبیں مستعمل ہیں وہ اب رائج نہیں پس جس
طرح اور اساتذہ کے کلام میں متروکات کا استعمال ناجائز نہیں سمجھا جاتا اسی
طرح نظیر کے کلام کا بھی عیب نہیں خیال کیا جاسکتا۔ نظیر کے کلام پر
یہ ایک بڑا اعتراض ہے کہ اُن کے یہاں صحت لفظی کا التزام نہیں، یہ اعتراض بھی
جملہ متقدمین پر ایک ہی طرح صادق آتا ہے، ہرچند اس زمانہ میں صحت لفظی کی
کوئی قید نہ تھی لیکن نظیر کے معاملہ میں اس کا ایک خاص جواب موجود ہے،
اور وہ یہ کہ نظیر عوام کے تلفظ کے مطابق لفظوں کو باندھتے ہیں اور چونکہ وہ
عامۃ الناس کے ہی مخصوص شاعر ہیں اس لئے اس معاملہ میں انہیں ہر طرح کے
اختیار و آزادی کا پورا حق حاصل ہے۔ یہ بات کسی بے محل ہوتی کہ وہ کنہیا جی
کے جنم میں بجائے ہندو عورتوں کے خواتین لکھنؤ کی زبان لکھتے اور بلدیو جی کے
میلہ میں برج کے گنواروں کی بجائے ثقات دہلی کی، نظیر کی شاعری
پر بعض لوگ یہ بھی اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ وہ مبتذل اور مکمل نہیں ہے،
یہ اعتراض کسی قدر صحیح ہے لیکن یہ واضح رہے کہ کبھی کوئی موجد اپنی ایجاد کو

مکمل نہیں بنا سکتا، یہ متاخرین اور متبعین کا فرض ہوا کرتا ہے کہ تنقید کے راستہ میں جو فروگذاشت اور کمی دیکھیں پوری کر دیں یہیں نظیر اپنا رنگ اپنے ہی پر ختم کر گئے۔ فی زمانہ جب کہ عقیدت دل سے نظیر کی شاعری پر غور کیا جا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کی بنا مخصوص محاسن پر قائم ہے، وہ اٹھارویں انیسویں صدی عیسوی کے صرف بہت بڑے شاعر نہ تھے بلکہ ہندوستانی سرزمین کے ایک نہایت عالی وقار فرد تھے یہ اعتراض کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کام نامکمل چھوڑا، اگر ہم ان کے کام کی ماہیت پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہی بہت زیادہ ہے ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ تمام عناصر جن سے انکی شاعری مرکب ہے ان کو دریافت کرنے پڑتے تھے۔ یہ سارے جواہر جنکی تلاش میں وہ ہر وقت سرگرداں تھے ایک ایسے ویرانہ میں مدفون تھے جس کا وجود اور کسی فرد کی نہیں بلکہ صرف انہی کی نگاہ نے دریافت کر لیا تھا۔ بلکہ اس بارہ میں یہاں تک کہنا پڑتا ہے کہ ان کو کھود نکالنے کے لئے اوزار بھی انہی کو بنانے پڑتے تھے، اس لئے کہ وہ اپنے کو ایک عمیق ترین ظلمت میں پاتے تھے جہاں کوئی مددگار کوئی اوزار کوئی نمونہ موجود نہ تھا اور اگر کوئی نمونہ موجود تھا تو وہ نہایت ذلیل اور ادنی قسم کا کہا جاتا ہے کہ نظیر کے کلام میں مینرازم کا عیب ہے، فی الواقعہ یہ بڑا شاعرانہ عیب ہے لیکن کثرت اعادہ صرف اس وقت ناگوار ہوتا ہے جب ایک ہی بات یا خیال بار

بار دھرانے سے طبیعت پر بار پڑے اور یکسانیت سے جی اکتانے لگے لیکن جس صورت میں ایک ہی خیال مختلف موقعوں پر ہر مرتبہ نئے خیالات کے ہمراہ بار بار پیش کیا جائے تو بُرا نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس سے کلام میں زور اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ فن موسیقی کی شہادت اس عیب کے حسن کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ ترنّم کے ساتھ جو روانی اور سلاست پیدا ہو جاتی ہے وہ مزید برآں ہے

عروض

نظیر کے عروض پر تفصیلی بحث کرنے میں طول ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ نظیر کے کلام میں بظاہر عروضی غلطیاں موجود ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا یہ عروضی غلطیاں کلام غلط ہو جانے سے بعد میں پیدا ہو گئیں یا خود نظیر سے سرزد ہوئیں اس کی تحقیق سرِدست بہت دشوار ہے اس وقت جو کلام ہمیں میسر ہے اس میں لغزشیں موجود ہیں اور موجودہ ضروریات کے لئے ہم صرف اسی پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ غلطیاں کس کس نوعیت کی ہیں اکثر غلطیاں تو قافیہ کے متعلق ہیں اور بہت سی وزنِ شعر کے متعلق یعنی یہ کہ تقطیع کرتے وقت بہت سے حروف مثلاً ع، ح، ر، ہ تقطیع سے گر جاتے ہیں اس قسم کے معائب نظیر کے کلام میں کچھ نئی بات نہیں، **شہباز** نے مثالیں دے دیکر دکھایا ہے کہ اساتذۂ مجتہدین متقدمین کے کلام میں بھی یہ نقائص کثرت سے موجود ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ شاعری میں شاعری پر ایسے دقیق قیود عائد کرنا

ان دور میں شعرا نے مناسب نہ سمجھا کہ اس عام جواب سے نظیر کے بعض
کا بھی جواب ملجاتا ہے لیکن اُن کے متعلق ہمیشہ ایک خاص بات کو
یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ الفاظ کا تلفظ عوام کی زبان کے مطابق کرتے ہیں
اس نکتہ کو یاد رکھنے سے نہ صرف اس بات کا بلکہ اور بہت سے اعتراضات کا
جواب ملجاتا ہے۔ عوام کی زبان کے مطابق تلفظ کرتے ہوئے بہت
سے حروف جو بظاہر تقطیع سے گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں خارج ہو جاتے ہیں
ہمارا خیال ہے کہ نظیر نے جو کچھ کیا وہ عمداً اور دانستہ کیا۔ وہ کسی وقت
عروض میں عاجز نہ تھے البتہ مشرقی خصوصاً عربی عروض کی سخت پابندیوں سے
تنگ آکر ان کی فطری آزادی پسند طبیعت نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر خیال کی
صحت و وسعت کی خاطر کہیں عروض قربان ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔
وہ عروض کو شعر کا صرف جزو ضروری سمجھتے تھے نہ کہ جزو لاینفک اور اس خیال میں
ارسطو کے ہم خیال تھے۔

فحشیات نظیر کے کلام میں جہاں فحش اور غیر سنجیدہ باتیں ہیں اُن کے متعلق
کہیں جگہ بتایا جا چکا ہے کہ ان کا وجود محض معاشرت کی بنا پر ہے
اگر ان کو نظر انداز کر دیا جاتا تو انسانی زندگی کا ایک بہت بڑا پہلو پوشیدہ رہ جاتا
جس سے نظیر کی اہلیت اور ہمہ گیری پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس موضوع
پر ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت سید محمد فاروق صاحب شاہ دیوری

۳۳۳۳۳۳

سے فاضلانہ تبصرہ مطبوعہ نقاد اگست سنہ ۱۹۱۳ء کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں جس سے اس عنوان پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

بعض نظمیں جو غیر مہذب ہیں، اُن سے نظیر کی شاعری کو حقیقتاً کوئی تعلق نہیں۔ بلاشبہ اِن کا شمار نظیر کے نتائج افکار میں ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اُن کا وجود تفنن طبع یا کسی خارجی تحریک پر مبنی سمجھا جاتا ہے اس لئے کلام نظیر کی تنقید کے واسطے وہ بطور معیار کے کام نہیں دے سکتیں۔ اِن مخرب اخلاق و مشتعل انگیز نظموں کی شانِ نزول یا غرض و غایت کیا تھی؟ اس کا صحیح جواب اس وقت دینا محال ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ معاشرت انسانی کے جو تاریک پہلو نظیر نے دکھلائے ہیں وہ غیر فطری یا سرتاپا غلط ہیں۔ ممکن ہے کہ سوسائٹی کی اصلاح کی غرض سے شاعر نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ لوگوں کے آگے، اُن کی مذموم عادات و خصائل کا تذکرہ، من وعن کر دیا جائے کہ انہیں اپنی دردناک اور غیرت سوز حالت پر غور کرنے کا موقع ملے اور اس سے شاید اتنا ہو کہ وہ اپنے خصائل و اخلاق کی درستی پر ازخود مائل ہو جائیں۔ اِسی کے ساتھ یہ بھی بعید از امکان نہیں کہ انہوں نے اپنی طبعی خواہش سے ایسا کیا ہو۔ تاہم اِس کے لئے نظیر کو خصوصیت سے ملزم گرداننا ناانصافی ہے خصوصاً اُس حالت میں کہ سعدی ایسے کئی گران پایہ فلسفی شعرا کا دامن ہزل گوئی کے بدنما داغ سے ملوث نظر آرہا ہے۔ ہمیں "خذ ما صفا و دع ما کدر" کے عاقلانہ اصول پر کاربند ہونا چاہئے۔ اچھے مال کی قدردانی کرنا چاہئے

اور خراب چیز کی طرف نظر بھی نہ ڈالنا چاہیے۔ اس مسلک کو اختیار کرنے کے بعد ارباب نظر متلاشی ہونگے تو انہیں "ویرانۂ نظیر" کی خاک سے بہت سے بیش قیمت خزف ریزے ایسے ملیں گے جن سے ادب و لٹریچر کا تاج غیر معمولی زیب و زینت پا سکتا ہے۔ متعدد نظمیں نظیر کی اس قسم کی ہیں کہ اُن کا انتخاب تعلیمی کورس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اور اُن کا منتخب مجموعہ نونہالانِ قوم کے ہاتھ میں بلا کسی خدشے کے بغرضِ استفادہ، دیا جا سکتا ہے۔"

رسم خط

ہر شخص جانتا ہے کہ بعض قدیم الفاظ کی کتابت کا طرز بھی قدیمی ہے۔ لیکن اب قدیم الفاظ کی متروکی کے ساتھ اُن کا طرز کتابت بھی بدل گیا ہے۔ اِس تالیف میں رسم خط کہیں تو قدیم ہی قائم رکھی ہے کہیں جدید کر دی ہے۔ قدیم کتابت صرف اُن مقامات پر ہے جہاں خوف اشتباہ و ضرورت شعری نے اِس کے قائم رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ "جاوے" "آوے" اور اس قبیل کے الفاظ کو اسی شکل میں رکھا گیا ہے کیونکہ اگر بدل دئے جاتے تو شبہ ہو سکتا تھا کہ نظیر نے اسی طرح لکھا ہوگا۔ لیکن "اون" "اوسے" "اونھیں" کو "اُن" "اُسے" "اُنھیں" کر دیا گیا ہے س لیے کہ ایسا کر دینے سے تلفظ میں کوئی فرق نہیں پڑتا نہ اور کوئی شبہ پیدا دتا ہے۔ اب بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کی کتابت بدل دینے سے بعض فات تو مصرع کی موزونیت پہ اثر پڑتا ہے اور بعض اوقات نہیں پڑتا مثلاً "ایدھر" "اودھر" نانچہ جس جگہ تلفظ صاف طور پہ "اُیدھر" ہے اور بدلنے سے مصرع ناموزوں ہو جاتا ہے

وہاں کتابت اسی طرح رکھی ہے۔ لیکن جہاں تلفظ ادھر سے اور بدلنے سے بھی مصرع موزوں رہتا ہے وہاں بے خوف تبدیلی کتابت کر دی گئی ہے۔

سوانح نظیر

پروفیسر شہباز نے زندگانی بےنظیر میں نظیر کے عقلی و نقلی سوانح عمری جمع کئے ہیں اور کلام کو زندگی کے واقعات کی روشنی میں دکھانے کی کچھ کچھ کوشش کی ہے۔ اس سے نظیر کی پیدائش، وطن، پیشہ، مزاج، چال چلن، اخلاق، اشغال، معاشرت، سیرت غرض زندگی کے جملہ حالات بخوبی واضح ہو جاتے ہیں لیکن اس مجموعہ کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نظیر کی تذکرہ نگاری کا مسئلہ پورے طور پر حل ہو گیا۔ اس سے واقعات کی عسیر الحصول کی جانب اشارہ کرنا مقصود نہیں بلکہ اس پر نظر ہے کہ مدعائے تذکرہ کے حصول کے لئے ان کا محدود اور نامکمل استعمال کیا گیا ہے۔ اگر کوئی فرد واحد واقعی اس کا اہل ہے کہ اس کی حیات اور خصائل یادگار کے طور پر ضابطہ تحریر میں لائے جائیں تو ہمارا ہمیشہ یہی فیصلہ ہے کہ عوام الناس خصوصاً اس کے ہموطنوں کو اس کی سیرت کے جملہ اندرونی سرچشموں اور وسائل سے روشناس کرا دینا چاہئے۔ زمانہ کو دکھا دینا چاہئے کہ دنیا اور انسانی زندگی اس کے ذاتی نقطۂ نظر سے اس کے نفس پر کس حیثیت و رنگ میں منکشف ہوئیں۔ اس کے ہم زمانہ واقعات بیرونی نے اس میں کیا ترمیم کی اور اس نے اپنی شخصیت و تاثرات باطنی سے ان میں کیا تغیر پیدا کیا وہ کس کس کوشش اور قابلیت سے ان پر حاوی ہوا اور کیسے کیسے تصادم و

وصوبتوں کے بعد اُن سے مطلوب ہو گیا ۔ ان سب باتوں کو ایک فقرہ میں
یوں کہنا چاہیئے کہ سوسائٹی نے اس پر اور اس نے سوسائٹی پر کیا اثر ڈالا کسی فرد
کے متعلق جو شخص ان سوالات کا شافی جواب دے وہ ہمارے نزدیک تذکرہ کا
مکمل نمونہ پیش کر سکتا ہے ۔ معدودے چند نفوس اس نوعیت کا مطالعہ کئے
جانے کے مستحق ہوتے ہیں ۔ بہت سے تذکرے لکھے جاتے ہیں اور بعصوم
عجائب پسندی مطمئن کرنے کے لئے لکھے جانے چاہئیں لیکن جو اس مفہوم
کو ادا نہ کریںگے وہ صرف ایک بار مطالعہ کے بعد ہمیشہ کے لئے طاق نسیاں کے
سپرد کر دئے جائیں گے ۔ نظیرؔ اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو اسی فہرست کے چند
افراد میں سے ہیں ۔ لیکن ان کا ایسا مطالعہ جس کا یہ ماحصل ہو ابتک نہیں کیا
گیا ۔ اس ضمن میں ہماری کوشش ناکافی اور کمزور ثابت ہوتی اس لئے ہم نے
اس سے گریز کیا ورنہ ایسی بحثیں اس مختصر جریدہ کا موضوع بن سکتی ہیں ۔

خاتمہ

نظیر کا کلام جس بحث و تنقید کا مستحق ہے ہم سے باوجود کوشش
اس کا حق ادا نہ ہو سکا کلام کے صنائع بدائع انواع و اقسام حقیقت
و معنویت ، نظیر کا شغف موسیقی غرض بہت سے نکات ایسے ضروری ہیں جن پر
اس وقت روشنی نہیں ڈالی جا سکی ۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ نظیر کی
محاسن نگاری ہماری محدود قابلیت سے بہت بالاتر ہے ۔ اس وقت جو کچھ پیش
کیا جاتا ہے وہ منتشر خیالات کا ایک مجموعہ پریشان ہے جس میں کمالات نظیر

کا احسا محال ہے۔ ارباب کرم سے استدعا ہے کہ اس ناکام کوشش کو
بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں اور جو جو معائب اور کوتاہیاں اس میں باقی رہ گئی
ہیں انہیں از روئے ذرّہ نوازی نظر انداز کریں۔ اس صحیفہ کا مقصد کلام نظیر
پر روشنی ڈالنا نہیں بلکہ ملک کو ان کے کلام سے جدید طریقہ پر معرف کرانا اور
اہل بصیرت کی توجہ اس کی جانب مبذول کرانا ہے تاکہ کسی عالی پیمانہ پر
نظیر کے کلام کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہو۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اگر
نظیر کے متعلق کوئی مہتم بالشان کارروائی شروع کی گئی تو یہ جریدہ جو اس وقت
صرف ایک پیش خیمہ کی حیثیت رکھتا ہے اُس وقت نمونہ کا کام دے گا
اور اس عالیشان ایوان کا سنگ بنیاد بن سکے گا۔

رحمہ اللہ رحمۃ الی العوب

تبصره

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ

کلام نظیر کے عام و نمایاں محاسن پر سرسری بحث کرنے کے بعد اب ہم اُن خاص نظموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس صحیفہ کے لئے منتخب کی گئی ہیں۔ یہاں ہم ہر ایک نظم کو جدا جدا لیکر اس کے ذاتی لطائف دکھانے اور اُن پر تبصرہ کرنے کی کوشش کرینگے۔

الٰہی نامہ ایک عبرت مندانہ نظم ہے جس میں فنائے جہاں اور بقائے رحمان کے مسلم الثبوت کلیہ کی تشریح کی گئی ہے اور دقیق حکیمانہ نکات کو عام فہم نصیحتوں میں منتقل کر کے شعر کے سانچہ میں ڈھالا ہے، اول تو اس نظم میں بہت بڑا کمال ایک یہ ہے کہ مختلف موجوداتِ عالم و اجزائے کائنات پر باری باری سے نظر ڈالکر عالم اسباب کی ناپائداری اور خلّاق عالم کا قیام دائمی ثابت کیا ہے دوسرے اول سے آخر تک صداقت و حقیقت کی ایک ایسی برقی رو اس نظم میں دوڑتی

چلی جاتی ہے جو قلب کو سراسر مضطرب کردیتی ہے اور پھر دنیا کے تمام مشاغل و تعلقات ہیچ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ جن چیزوں کو مثال کے طور پر فانی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ بادی النظر میں استحکام و استقامت کا ایسا نمونہ پیش کرتی ہیں جن کی فنا کا بہ ظاہر گمان بھی نہیں ہوتا لیکن جب ایسی عظیم الشان و محتشم اشیاء عالم کی فنا کا مرقع پیش نظر کیا جاتا ہے تو عبرت و ہیبت کے وحشت انگیز آثار دل پر طاری ہونے لگتے ہیں، دیکھئے یہ بند کس قدر عبرت آموز ہے

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو اس دولت و اقبال پہ مت پھولو امیرو

نے ملک نہ دولت نہ سرانجام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

نظیر کا بہت بڑا کمال یہ ہے کہ وہ سنجیدہ موقعوں پر سطحی چیزوں سے اس طرح گریز کرتے ہیں کہ ذرا بھی شبہہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی بھی موقعہ پر اُن سے کوئی سروکار رکھتے ہوں گے۔ دنیا کی فنا اور اہل دنیا کی چند روزہ حیات کا منطقی نتیجہ وہ یہ نکالتے ہیں کہ باہمی تفرقے اور تنازعے محض بیکار و عبث ہیں اور اس لئے بے تعصب و صلح کل، رواداری و پرامن زندگی بسر کرنے کی تلقین اس طرح کرتے ہیں۔

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں

زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن   عاشق تو قلندر رہے نہ ہندو نہ مسلماں
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

نظیر کی نظم کا یہ بند الہامی ہے۔ شاعر کی پیمبرانہ خصوصیات، معلومات عامہ، بصیرت واقعات، دوربینی اور پیشین گوئی کی اس سے بہتر مثال غالباً دنیا کے کسی لٹریچر میں میسر نہیں آسکتی۔ اس کو دیکھ کر لامحالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ نظیر موجودہ سیاسی تلاطم ہندوستان کو اپنی دوربین نگاہوں سے دیکھ چکے تھے اور اس زمانہ کے اتحاد مذہبی کی رہنمائی کے لئے انہوں نے متذکرہ بالا کلیہ وضع کیا تھا۔

برسات کی بہاریں فصل و موسم کے متعلق خاص مشرقی مذاق کی نظم ہے اور شاعر کے طبعی ہندوستانی ہونے کا ثبوت دیتی ہے اس میں جابجا اپنے وطن کی خصوصیات فائق کا تذکرہ ہے اس لیے برسات کی بہاریں، مناظر کی دلفریبیاں، سوسائٹی کے کوائف ساری باتیں ہمارے لئے نہایت دلچسپ ہیں۔ موسم کے تغیر سے روز مرہ کی زندگی میں جو جو واقعات پیش آتے اور تبدیلیاں ہوتی ہیں سب کا من و عن حال اور صحیح مرقع شاعر نے پیش کیا ہے۔ اس میں دریا کو کوزہ کے اندر بند کرنے کی تنگ کوشش نہیں کی گئی بلکہ ہندوستان کی برسات کے قطرہ قطرہ کے دریا ہونے کا ثبوت دیا گیا ہے

نظیر کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصوات سے مطالب پیدا کرتے اور ترنّم سے مرقع پیش نظر کرتے ہیں، لیکن اس نظم میں یہ بھی لطف نہیں کہ اصوات و ہیئت کے لئے ایسے الفاظ بہم کئے ہیں جن سے صوت متعلق کے صحیح و موزوں ترنّم اور ہیئت مفہومہ کے حقیقی و واقعی مرقع کی تخئیل سامعہ و باصرہ کے روبرو پھرنے لگتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ، بوندوں کی جھمجھاوٹ، ایسی ترکیبیں ہیں جن میں لہلہاہٹ کے لفظ سے سبزہ کی تازگی، ہلکی ہلکی سبزی، اور خفیف جنبش کا نقشہ کھنچ جاتا ہے، اور جھمجھاوٹ کے لفظ سے بوندوں کے متواتر برسنے کی آواز سامعہ کے روبرو پیدا ہونے لگتی ہے، اس نظم کے تیسرے اور پانچویں بندوں میں بھی اس قسم کی صنعتیں موجود ہیں لیکن برسات کے لطائف کی ہو بہو مگر سادہ اور غیر مصنوعی تصویر اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے۔

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہندوستانی برسات کی دلفریبیاں اس قیامت کی ہوتی ہیں کہ ان میں مبتلا ہوکر کسی شخص کو دنیا مافیہا کی خبر نہیں رہ سکتی لیکن نظیر کی رمز شناس بصیرت برسات کے مجازی حسن میں بھی جمال حقیقی کی جھلک دیکھ سکتی ہے۔ وہ حسنِ مطلق کی ناقابلِ برداشت جلوہ ریزیوں سے متاثر ہو کر بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا ۔۔۔ اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سومنے کا جو صبح و شام ہے گا ۔۔۔ یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

برسات کی بہاروں میں عشاق کے اضطراب و درد فرقت کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بھی ہندوستان کی نازک ترین خصوصیت قائم رکھی ہے جنس لطیف کو عاشق قرار دیکر ہجر کی کلفتیں اور پیا سے دوری کی مصیبتوں کا سارا دکھ درد بیان کیا ہے، وصل سے شادکام پیا کی پیاریوں اور بیقرار برہنوں کی قلبی کیفیات کے بیان میں جو خوبی ہے وہ تحریر میں نہیں آسکتی بلکہ صرف محسوس کی جاسکتی ہے، برسات کا پورا پورا لطف لوٹنے والی بنی سنوری رنگین پریوں کی عیش آرائیاں، شوخ و شنگ طرحداروں کے حسنِ بے پناہ کا زاہد فریب عالم، مستانِ شباب اور متوالی اداوالیوں کی توبہ شکن رنگ رلیاں اگرچہ بجائے خود نہایت مہلک و تباہ کن ہیں لیکن نظیر نے اُن کا نقشہ جن پیارے الفاظ میں کھینچا ہے وہ خالص ان کے حصہ کی چیز ہے، آہ کہتے ہیں،

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی گلنار یا گلابی یا زرد وسبز دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی جھولوں میں جھولتی ہیں اور پڑتے ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس بند سے پہلا ایک اور بعد کے دو بند بھی اسی ستم کے ہیں، گو شاعرانہ رنگ غالب ہے اور جوانی کی رندانہ بے باکی اپنی جھلک دکھا رہی ہے مگر جس رنگ میں نظیر محاکات کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں برسات کی مصوری کرنے میں اس کے اثرات اور لازمی نتائج کسی کو نظر انداز نہیں کیا، امرا و غربا کے مکانوں کی حالتیں، ان کی طرز معاشرت، سب کا موقعہ بہ موقعہ تذکرہ ہے، غرض کہ بیر بہوٹی، کنسلائی، دھتورے، پھلسی، پھوڑے کچھ بھی انکی نظر سے نہیں بچتا یہاں تک کہ ظرافت کے لئے برسات کے پھسلنے پھسلانے کا بھی حال موجود ہے۔

بنجارہ نامہ ایک حکیمانہ تمثیل یا الیگری اور ناصحانہ نظم ہے اور معنوی اعتبار سے نہایت بلند پایہ نظم ہے اس کے پوشیدہ مطالب جس قدر عمیق ہیں اسکی ظاہری دلچسپی اسی قدر نمایاں ہے یعنی یہ کہ اگر حقیقی معانی سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی نظم بالذات نہایت لطیف اور مکمل رہتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ دقیق نظیر کے کلام میں کوئی نظم نہیں لیکن اس پر لطف یہ ہے کہ غالباً اس سے زیادہ مقبول بھی انکی کوئی نظم نہیں اول تو بحر نہایت مترنم اور حسرت و یاس کے خیالات اظہار کرنیکے لئے نہایت موزوں ہے کیونکہ روانی و تسلسل سے ایک قسم کا سکون طاری ہوتا ہے جو فی نفسہ حسرت و یاس کا بڑا ممد ہے دوسرے خیالات

اور الفاظ بحر سے اس طرح وابستہ ہیں کہ اِسوقت یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر یہ نظم کسی دوسری بحر میں لکھی جاتی تو اس میں اتنی دلکشی اور جاذبیت پیدا نہ ہوتی اور نہ اس پر اختراع فائقہ کا اطلاق ہوسکتا تھا علاوہ اِس رسائی طبیعت کے کہ بنجارہ کی خانہ بدوش زندگی سے انسان کی نقش بر آب ہستی کی تمثیل قائم کی ہے، اظہار خیال اور توسیع تخیل کے لئے الفاظ اتنے موزوں، مناسب اور جچے تُلے منتخب کئے ہیں جن کا جواب ناممکن ہے الفاظ کثرت سے استعمال کرنے، نامانوس کو مانوس بنانے، اور مرادف بہم کرنے کی جو خصوصیت نظیر میں بدرجۂ اتم ہے وہ اس نظم سے بخوبی عیاں ہوتی ہے اِس بند کو دیکھئے۔

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چترا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

عاشق نامہ ایک عارفانہ نظم ہے اور اپنی طرز میں نہایت مکمل چیز ہے۔ اہل تصوف کے اعتقاد و یقین ہمہ اوست کی تشریح اِس سے بہتر غالباً نہیں ہوسکتی۔ ساری نظم اول سے آخر تک نہایت صاف، بالکل سادہ و پاکیزہ اور عام فہم الفاظ میں ہے، اول تو نظم کا ہر ہر مصرع بیساختہ ہے لیکن ہر بند کے چوتھے شعر میں

بیساختگی وبلاغت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ہر بند بجائے خود اس قدر پرمعنی اور مکمل ہے کہ قوت انتخاب مجروح ہے لیکن ٹیگور کی ٹیپ کی جو ہر بند میں دُہرائی جاتی ہے فصاحت و بلاغت و معنویت سب سے بالاتر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

نظیر تو دلبر کو ہر آن، ہر بات، ہر ڈھنگ میں پہچان لیتے ہیں لیکن ٹیگور کہتے ہیں کہ :-

"وہ وہاں ہے جہاں کاشتکار سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے جہاں سڑک بنانے والا پتھر توڑ رہا ہے، وہ اُن کے ساتھ دھوپ اور بارش میں ہے اور اسکا ملبوس خاک میں اٹا ہوا ہے۔ یہ خرقۂ رسالوس اُتار کے پھینکدے اور اسی کی طرح خاک زمین پر اُتر آ"

دوسری جگہ اسی خیال کو ٹیگور نہایت پُرسکون و متین الفاظ میں یوں اظہار کرتے ہیں

"کیا تم نے اس کی خاموش آوازِ قدم نہیں سنی وہ آتا ہے، آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

ہر لمحہ اور ہر عمر میں، ہر دن اور ہر رات وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔
میں نے بہت سے گیت مختلف کیفیات قلب میں گائے لیکن ان کا لحن ہمیشہ یہی رہا کہ وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

گرم اپریل کے معطر ایام میں، جنگل کے راستہ سے وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے
شبہائے جولائی کی باراں تاریکی میں بادلوں کے گرجنے والے رتھ پر وہ آتا ہے
اور ہمیشہ آتا ہے۔
تو اتر الم کی حالت اسی کے قدم ہیں جو میرے دل کے اندر گڑ جاتے ہیں اور اسی کے
قدموں کا زریں مس ہے جو میری مسرتوں کو درخشاں بنا دیتا ہے۔"

دو افراد کا مقابلہ ہمیشہ ایک ناپسندیدہ کوشش ہے لیکن اتنا بتا دینا نہایت
دلچسپ ہوگا کہ ٹیگور کی نظم کے ہر ہر خیال کا مرادف عاشق نامہ میں مل سکتا ہے
دونوں نظموں کو ساتھ پڑھنے سے غالباً بہت لطف حاصل ہو سکے گا، اور دونوں
ایک دوسرے کے محاسن پر مزید روشنی ڈال سکیں گی۔

آدمی نامہ ایک قسم کی تمدنی نظم ہے جس میں انسانی سوسائٹی کے مختلف
و متبائن مراتب دکھائے گئے ہیں۔ نظیر چونکہ انسان کے عاشق اور معاشرت
کے شیدائی ہیں، اس لئے وہ یہ نظم کہنے پر مجبور ہوئے، وہ دیکھتے ہیں کہ
ہر متنفس فطری اعتبار سے اور خدا کے نزدیک بھی ایک سی حیثیت رکھتا ہے
پھر کیا وجہ ہے کہ دنیوی اعتبار سے ہر شخص برابر اور حیثیت و شان میں یکساں
نہ سمجھا جائے، لیکن اپنے خیال اور مطمح نظر کے خلاف مراتب میں اختلاف اور
حیثیات میں تفریق دیکھ کر انہیں خاص تعجب ہوتا ہے اس لئے وہ انسانی معاشرت
و مشاغل کے مختلف پہلو ایک جگہ جمع کر کے دکھلاتے اور اہل بصیرت کی توجہ

واقعات دنیا کی گوناں گونی کی طرف مبذول کرنے کے لئے کہتے ہیں۔

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس وگدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بینوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ایک شخص کو بادشاہ اور دوسرے کو ٹکڑے چباتا دیکھ کر خداوند عالم کے ناقابل درک رموز کا احساس ہونے لگتا ہے اور مشیت کا لاینحل نکتہ پیش نظر ہوجاتا ہے۔ اس نظم کی سادگی، شستگی، اور روانی میں ادب القدما کی جھلک پائی جاتی ہے اور نظیر کی بیساختہ گوئی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ نظم اس قدر بے تکلف اور غیر مصنوعی ہے کہ مصرعوں پر نثر کا اطلاق ہوسکتا ہے، اگر مصرع کی نثر کرنا چاہیں تو الفاظ کی نشست و ترتیب بدلنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ میاں نظیر کا سایۂ کمال سوائے انیس رح کے اساتذہ میں کوئی نہ پیدا کرسکا سعدی رح نے بھی آدمی نامہ کی مماثل ایک نظم "در صنعت حق تعالیٰ" کریما میں لکھی ہے۔ نظیر اور سعدی دونوں اساتذہ کا موضوع ایک ہی ہے لیکن نظیر نے صنعت حق کو مخصوص کرنے کے لئے آدمی کو اس کا مظہر قرار دے لیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ انتخاب بہترین ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ نظیر کی نظم جس قدر بسیط اور جامع ہے سعدی کی نہیں، سعدی فرماتے ہیں :-

یکے پاسبان ویکے بادشاہ　　　یکے داد خواہ ویکے تاج خواہ
یکے باجدار ویکے تاجدار　　　یکے سرفراز ویکے خاکسار
یکے بینوا ویکے مالدار　　　یکے نامراد ویکے کامگار

آدمی نامہ جیسی سنجیدہ نظم میں کہیں کہیں ظرافت کا چٹپٹا پن بھی موجود ہے اور کیوں نہ ہو شاعر کا فطری چلبلا پن کسی طرح چھپائے نہیں چھپ سکتا ایک جگہ کہتے ہیں

اور آدمی ہی ان کی چُراتے ہیں جوتیاں

ممکن ہے کہ نظیر عیدگاہ یا جامع مسجد میں نماز پڑھنے کو گئے ہوں، جوتہ لامحالہ دروازہ پر اُتار دیا ہوگا کوئی صاحب موقعہ دیکھ کر اُٹھالے گئے ہوں گے یا اور کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور یہ اُس وقت دیکھ رہے ہوں۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال　　　اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال

اس شعر کا کسی قدر تعلق تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، نظیر کے زمانہ میں پنڈاریوں کی رہزنی شباب پر تھی اور اُنکی دست بُرد سے مسافروں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہونچتی تھیں۔ یہ لوگ دہوکا دیکر مسافر کو لگالاتے تھے اور موقعہ پاکر گلے میں رومال ڈال پھانسی دیتے اور چشم زدن میں مار ڈالتے تھے پھر اس کا مال اسباب آپس میں بانٹ کر اپنے تصرف میں لاتے۔ اس شعر میں غالباً اُس طرف اشارہ ہے۔

ہنس نامہ ایک مشہور حکیمانہ نظم اور ایلیگری ہے۔ اس میں دو نصیحتیں پہلو بہ پہلو کی گئی ہیں اول اور بالکل نمایاں تو یہ ہے کہ انسان کی زندگی عارضی ہے، جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو صرف تنہا جاتا ہے کوئی دوسرا خواہ کیسا ہی ہمدم ورفیق ہو ساتھ نہیں دیتا، دوسری اور کسی قدر سطح سے نیچے یہ ہے کہ محبت سے اس قدر مغلوب نہ ہونا چاہئے کہ اپنی حقیقت و ماہیت نظروں سے نہاں ہو جائے بلکہ قبل اس کے کہ تجربہ نااہل ثابت کرے ہمیں خود اپنی طاقت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔ اب ہنس نامہ کی نفس شاعری کو لیجئے، اس کے بھی دو انداز ہیں ایک تو ناصحانہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اور دوسرا حکایانہ۔ نظم میں حکایت یہ ہے کہ ایک ہنس نے کسی شہر سے آکر ایک بڑکی کسی شاخ پر اپنا گھر بنالیا، اس شجر پر رہنے والے جس قدر پرندے تھے سب کو چند روز میں اس سے کمال محبت ہو گئی آخر کار ہنس کے وطن جانے کا دن آیا، پہلے تو پرندوں نے اس بات کو باور کرنا نہ چاہا لیکن جب یقین ہو گیا کہ یہ کسی طرح نہیں رک سکتا تو اس کی محبت نے یہانتک مجبور کیا کہ اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے ہر ایک اپنی ہمت و طاقت کے مطابق اس کے ساتھ اڑا آخر کو سب نے تھک تھک کر لوٹنا شروع کیا اور ہنس اکیلا ہی سدھارا۔ اس نظم کی ایک بہت بڑی ظاہری خصوصیت یہ ہے کہ طیور کے نام کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں ایک مقام پر اتنے نام اردو میں غالباً کہیں نہ ملیں گے اس سے شاعر کی واقفیت عامہ اور زباندانی کا کمال ثابت ہوتا ہے۔

دوسری معنوی خصوصیت یہ ہے کہ مختلف اقسام کے پرندوں سے مختلف قسم خیال، مزاج، ہیئت و طبائع کے انسان مراد ہیں۔ ہر طائر کی حیثیت و اہلیت کے مطابق اس کے ساتھ اوصاف منسوب کئے گئے ہیں اور وہ جس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہے وہی اُس سے وابستہ کی گئی ہے۔ مثلاً بلبل چونکہ چھوٹی چڑیا اور بہار کی مغنیہ ہے اس لئے اس کے سپرد گانے کا کام ہے۔ کوئلے اور کوئل کے دل میں ہنس کی محبت دکھائی ہے اسلئے کہ یہ ہمیشہ سے ناکام اور رازل سے اہل درد ہیں، کھنجن اور کلنگ چونکہ قوی الجثہ پرند ہیں اس لئے وہ چنگ بجانے پر مامور ہیں۔ سیمرغ ایک عالی حوصلہ اور محتشم پرند ہے اس کی عظمت اسطرح قائم رکھی ہے کہ وہ ملنے کا شائق ہوا، گرطھ نکھ چونکہ جسیم مگر ادنی طبقہ کا پرند ہے اس لئے اُسے پنکھا جھلنے کا کام دیا گیا ہے غرض کہ جس طائر کی حیثیت و جثہ کے موافق جو خدمت تھی وہ اسے سپرد کی گئی ہے۔ آٹھویں اور نویں بند میں چڑیا پر امن و سکون شاد و خرم زندگی کا مرقع پیش کیا ہے لیکن دسویں اور گیارہویں بند میں لطف و خانہ کے ختم ہونے دیکھکر دل پر رقت و یاس کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس وقت انسان مرنے لگتا ہے اور اس کو اپنے اقربا سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کا یقین ہو جاتا ہے تو اسی قسم کی باتیں کرنے لگتا ہے کسی سے اپنی تقصیر بحل کراتا ہے کسی سے رخصت ہوتا اور کسی کو وصیت کرتا ہے غرض کہ عجب پُر حسرت سماں ہوتا ہے جس کے خیال سے جی بھر آتا ہے وہی کیفیت اس وقت ہنس کی

دکھائی ہے۔ اس کے بعد پرندوں کا اضطراب دکھایا ہے اور یہ وہی کیفیت ہے جو انسان کے مرجانے کے بعد ہوتی ہے۔ آخر کے پانچ بندوں میں پرندوں کی درماندگی اور بیچارگی جو انسانی عاجزی کی مرادف ہے دکھائی ہے

آخر کے بند میں ساری نظم کا لب لباب ہے فرماتے ہیں

دنیا کی جو الفت ہے تو اسکی ہی یہ کچھ راہ　　جب تنگی کل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نرباہ
ناچاری ہو جس جا تو وہاں کیجئے کیا چاہ　　سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے لٹک کر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

روضۂ تاجگنج چونکہ عمارت کے متعلق ہے اس لئے اس کو مصورانہ نظم کہہ سکتے ہیں۔ نظم کا لہجہ وصفانہ ہے لیکن لوکل کلر یا مقامی رنگ کی صنعت پوری پوری موجود ہے۔ یہ نظم شاعرانہ مصوری کا بہترین نمونہ ہے کہیں شاعرانہ مبالغہ یا تعلی سے کام نہیں لیا گیا بلکہ عمارت و چمن کی صحیح تصویر کشی کی ہے مگر اس سادہ بیانی اور سادگی میں ایسی دلکشی ہے کہ ہزار رنگ آمیزیاں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، کلس کے ہلال کی سادہ اور فطری تعریف اس سے بہتر الفاظ میں اور کیا ہوسکتی ہے، کہتے ہیں۔

اور وہ کلس جو ہے سر گنبد پہ سربلند　　ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دلپسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

اس کے بعد کے بند کی لطافت بار بار پڑھنے سے اور زیادہ بڑھتی

اور دوبالا ہوتی ہے، آگے چل کر عمارت کی صنّاعیاں الفاظ میں منتقل کی ہیں اور محاکات کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، قادر الکلامی کی انتہا ہے کہ سنگتراشی کے نازک ترین نمونے اور کامل ترین صنعتیں کا غذ پر دکھائی ہیں دیکھئے

سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں تا نشان
پتے کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جو آخر نگار ہے

آخر بند سے پہلے دو بند باغ کی تعریف میں ہیں جنکو پڑھنے سے غیر معمولی شگفتگی پیدا ہوتی ہے اور طبیعت نہایت تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ کسل و انقباض کے لمحوں میں اس نظم سے بہتر رفیق کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمام تکدّر اور اُداسی آن واحد میں فرو ہو جاتی ہے ہمارے نزدیک شعر کی یہ بہترین خدمت ہے اور اسی کا نام تکمیل شاعری ہے

تندرستی نامہ ایک اعلیٰ درجہ کی ناصحانہ نظم ہے جس کی ابتداء واعظانہ انداز میں ہوتی ہے۔ اس میں اول سے آخر تک یہ جتانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں آبرو کے ساتھ اور تندرست رہنا دونوں بہت بڑی نعمتیں ہیں اور آگے چل کر اسی خیال کو وسیع کیا ہے اور جا بجا اسی کی تشریح کی ہے اور مختلف مثالیں دے دیکر سمجھایا ہے۔ زبان کے اعتبار سے یہ نظم نہایت صاف ہے البتہ کہیں کہیں متروک الفاظ کا استعمال ہے، دیکھیے یہ بند

حقیقت کا کس قدر سچا مرقع ہے۔

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں پیارے کے کنے
اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے
جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اِس بند کی صداقت میں کسے انکار ہو سکتا ہے یہ واقعہ ہے کہ علالت میں کوئی چیز بھلی نہیں معلوم ہوتی اور تندرستی میں اگر سرد پانی بھی پیو تو شیر و شہد کا مزہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعدی سا حقیقت شناس حکیم تندرستی کو لوازم حیات میں نہایت ضروری سمجھتا ہے۔

اے خالق ہر بلند و پستی
شش چیز عطا بکن زہستی
علم و عمل فراخ دستی
ایمان و امان تندرستی

ذکر مرغان ایک پُر رمز صوفیانہ نظم اور اُردو میں بالکل نئی چیز ہے۔ یہاں سا نظیر نے اپنے تجدد اور موجد رنگ ہونے کا ثبوت دیا ہے اور ستا توانہ و متغنیانہ آرٹ کی پوری پوری تکمیل کی ہے وہ ہر شام و سحر طیور اور حشرات الارض کی آوازوں میں نغمۂ وحدانیت سنتے اور اُسے صوت سرمدی کی آواز بازگشت سمجھ کر اس پر وجد کرتے ہیں۔ لیکن حافظؒ اپنی ہستی کو بھی طائر کی متغنیانہ حیات کا مرادف سمجھ کر یکبارگی کہہ اُٹھتے ہیں۔

در پس پردہ چو طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

حافظؒ کا خیال ہے کہ مثل چڑیوں کے جو کچھ خدا مجھ سے کہواتا ہے کہتا ہوں لیکن نظیرؔ اپنی دردمندخموشی کو محسوس کر کے چڑیوں کی حالت پر رشک اور اپنی غفلت پر افسوس اور ملامت کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے یا حیّ توانا کوئی کہے یا رب قدیر

طائر تو سب یاد کریں اور ہم غفلت میں رہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ نظیرؔ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

غالباً وہ اسی قسم کا جذبہ تھا جس نے ٹیگور کے دل میں یہ صورت اختیار کرلی ہے۔

"جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قلب (اس لطف و پرستش کی سمائی اپنے دل میں نہ پا کر) فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، میں تیری صورت دیکھتا ہوں اور میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں جو کچھ میری زندگی میں سخت و کرخت ہے ایک شیریں نغمۂ واحد کی صورت میں رقیق ہو کر تبدیل ہو جاتا ہے اور میری پرستش اس مسرور طائر کی طرح

جو سطح سمندر پار اڑ رہا ہو اپنے بازو پھیلا دیتی ہے میں جانتا ہوں تو میرے گانے میں دلچسپی لیتا ہے، میں جانتا ہوں کہ صرف ایک مغنّی کی حیثیت سے میں تیرے حضور میں آتا ہوں۔

میں اپنے وسیع البسط بازوئے نغمہ کے کنارے سے تیرے قدموں کو چھو لیتا ہوں، جن تک پہنچنے کا حوصلہ میں کبھی نہیں کر سکتا تھا،

مسرت سرود سے سرشار ہو کر میں اپنے تئیں بھول جاتا ہوں اور تجھے اپنا دوست کہتا ہوں حالانکہ تو میرا مالک و آقا ہے۔"

ذکر مرغان میں علاوہ معنوی خصائص کے لفظی و شعری صنائع بھی ہیں الیٹریشن (یعنی ایک حرف سے شروع ہونے والے الفاظ کا بالالتزام ایک ہی مصرع میں ہونا) کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے، نظم کو ذرا لحن کے ساتھ پڑھنے سے نہایت خوشگوار ترنم پیدا ہوتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔

فنا نامہ ایک عبرت مندانہ نظم ہے۔ میاں نظیر کو جو دلچسپی تاریخ سے تھی وہ اس سے صاف ظاہر ہوتی ہے، پوری نظم اول سے آخر تک عبرت کا ایک سیدھا اور دردمند سبق ہے اہل بصیرت کے لیے اس سے زیادہ سامان پند و نصیحت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ زبان نہایت صاف ہے لیکن خال خال قدیم اصطلاحات کا استعمال ہے جو اس وقت نامانوس معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ان کا استعمال ناگزیر تھا نیز ان

تشبیہوں میں ہندو مسلم جذبات کا توازن قائم رکھا ہے پوری نظم سنجیدہ خیالات عبرت آموز واقعات اور سود مند پند و نصائح کا ایک پرمعنی چمن ہے جس میں جدت کے پھول جا بجا کھلے ہوئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ حوادث و تغیرات عالم کا اس سے بہتر اور موثر الفاظ میں تجزیہ بہت دشوار بلکہ محال ہے دیکھئے یہ بند کیسے کیسے الوالعزم راجاؤں اور عالی نسب فرماں رواؤں کے واقعات پارینہ یاد دلاتا ہے جن کا اب صرف نام ہی نام دنیا میں باقی رہ گیا ہے۔

چتوڑ گڑھ ستارا کالنجر آمینا یا | یا راج بنسی ہوکر دنیا میں راج پایا
سب اوڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا | جب توپ نے اجل کی آ مورچہ لگایا

گڈھ کوٹ توپ گولہ سنگ ہوا تو بکھر کیا

طفلی کے عنوان سے جو نظم ہے وہ نہایت پاکیزہ، سادہ رنگ اور فطری جذبات سے مملو ہے۔ ہندوستانی شعرا میں ایسے بہت کم ہیں جنہوں نے علاوہ جوانی کے اور کسی حصۂ عمر پر نظر ڈالی ہو اور سوائے عاشقانہ جذبات محبت کے اور اصناف محبت سے بھی متاثر ہوئے ہوں، لیکن نظیر کی ہمہ گیری ان خصائص سے بھی خالی نہیں "طفلی"، قطعی ہندوستانی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور دوسرے ممالک کے بچوں پر صادق نہیں آسکتی، ہندوستانی بچوں کی معاشرت، اُن کے ناز و نعم سے پرورش کئے جانے کے حالات، اور بچوں کے متعلق والدین کے

جذبات کا صحیح نقشہ اس میں موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بچپن نکل جانے کے بعد جب دنیا کے آلام و مصائب انسان کو گھیرتے ہیں تو طفلی کی ہنگریاں اس کو یاد آتی ہیں اور بے اختیارانہ اس کے منہ سے نکل جاتا ہے۔

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

اس نظم کی زبان بہت صاف ہے لیکن کہیں کہیں متروک الفاظ جیسے ووں، گھرنا، اونٹے، وغیرہ کا استعمال ہے۔ دیکھیے بچوں کی بے تصنع زندگی اور طمانیت نفس کا کیا سچا مرقع ہے۔

جواں کودو سو کھالیں پھیکا ہو یا سلونا | ہیں بادشہ سے بہتر جب ملگیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہے ان کو سونا | پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہئے بچھونا

بھونپو کوئی بجالے پھر کی کوئی نچالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

اس محبت بھری نظم کا جوہر صاحب اولاد کے نازک ترین حسیات کو برانگیختہ کرتی ہے اس سے بہتر کیا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جوانی عاشقانہ و جوانانہ نظم ہے مگر رندانہ طرز و انداز میں لکھی گئی ہے اور جوانی دیوانی کی کرشمہ سازیوں سے سرتاپا لبریز ہے لیکن فطرت کے خلاف

ایک حرف نہیں بتایا جا سکتا اس نظم میں شباب کی بے لگام عیش آرائیوں اور بے حجاب لطف اندوزیوں کا منظر تو پیش نظر کیا ہی گیا ہے لیکن بیان میں جس قدر بیباختگی و بے باکی ہے اس نے نظم میں ایک خاص کیفیت اور لطف مکرر پیدا کر دیا ہے اگر انداز بیان میں ثقاہت یا سنجیدگی سے کام لیا جاتا تو عنوان کی پوری پوری داد نہ دی جا سکتی تھی۔ فطری جذبات کی فطری داد صرف فطری شاعر دے سکتا ہے اور صرف وہی فطری لطف برانگیختہ کر سکتی ہے۔

جوانی وہ عمر ہے جس میں انسان اندھا ہوتا ہے اور اس میں جو کچھ نہ کر بیٹھے تھوڑا ہے، شباب کی کارفرمائیاں کہاں تک گنوائی جائیں ہر شخص اپنے دل سے پوچھ لے آہ کیا حالت ہے۔

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سین
چھوٹا ہے کہیں پیار کسی سے ہیں لگے تین

وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں نین
نے جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

یہ نظم فی الحقیقت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں، ہر بات اس قدر صاف ہے کہ کسی تشریح و وضاحت کی حاجت باقی نہیں رہ گئی۔ آرٹ اگر عریانی کا نام

ہے تو اس نظم میں اُس کا بہترین مصرف ہوا ہے۔

بڑھاپے کی نظم بہت سے عناصر کا مجموعہ ہے۔ آزمودہ کاری، خوش طبعی، ظرافت، رندی تو ایسے اجزا ہیں جو سطح پر نظر آتے ہیں لیکن اگر تعمق کی نظر سے دیکھا جائے تو ساری نظم عبرت کا نہایت پُر تاسف ودرد انگیز مرقع ہے، جوانی میں جو باتیں جزو فطرت اور طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہیں وہ پیری میں کیونکر چھوٹ سکتی ہیں لیکن زمانہ ان کو جائز نہیں رکھتا اور عمر اس کی اجازت نہیں دیتی۔ بڑھاپے کی تکلیفیں خود ہی کیا کم ہوتی ہیں اس پر یہ اور ستم ہے کہ مشاغل لطف ومسرت سے بھی ہاتھ اُٹھا لینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ دست کش ہونا نہ ہونا تو اپنے ہاتھ کی بات ہے لیکن یہاں تو یہ مجبوری آپڑی ہے کہ عیش ومسرت خود ہم سے ہاتھ اُٹھائے لیتے ہیں اور بالکل خیرباد کہنے کے لئے تیار ہیں، ہم تو لاکھ چاہیں کہ جوانانہ افعال ہم سے سرزد ہوں لیکن دیکھنے والے بھی تو ان کا اعتراف کریں، ہیہات ان کا تو یہ حال ہے۔

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بنا دے
چل کر کوئی کُبڑے کی طرح قد کو جھکا دے
ڈاڑھی کے کئے انگلی کو لالا کے بجا دے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھا دے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ع عشق جو کرتا ہے سنتے ہیں جوان مرجائے ہے لیکن اگر کوئی عاشق بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس غریب کو جیتے جی موت آجاتی ہے، تو یٰ بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر دل جوان رہتا ہے اسکی وہی حالت رہتی ہے مگر احوال بدل جاتا ہے پس اس کو جو جو مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں اسی کا دل خوب جانتا ہے، سچ ہے

حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

نظیر کی یہ نظم نہایت مشہور و مقبول ہے اور آرٹ کے اعتبار سے ممتاز ہی نہیں بلکہ اختراع فائقہ سمجھی جاتی ہے **شہباز** لکھتے ہیں کہ یورپ میں خصوصاً بہت مقبول و دلپسند ہے۔ ڈاکٹر فیلن بھی اس کے بڑے مداح ہیں۔

فقیروں کی صدا ایک ناصحانہ نظم ہے جس کا لہجہ قلندرانہ ہے۔ نظم کا تخاطب بوڑھوں سے ہے اور مضمون مختصر طور پر یہ ہے کہ اب زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں ہر لمحہ موت کے لیے تیار رہنا چاہیئے دنیا کے جس قدر تعلقات ہیں ان کو ختم کرو اور عقبیٰ کی فکر میں لگو، نظم کو پڑھ کر حسرت و یاس کے جذبات کا ہجوم ہوتا ہے اور دل بے اختیار بھر آتا ہے زندگی کا اختتام اور موت کی قربت کچھ ایسے پر اثر، مناسب حال، اور موزوں الفاظ میں بیان کی ہے جس سے بے بسی کا عالم طاری ہوتا ہے، کہتے ہیں

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چُنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھُنتی ہے

تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھُنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اس نظم میں ایک اور خاص لطف یہ ہے کہ موت کی قربت کی علامات بیان کی ہیں اور وہ بالکل "بنین" کی مشہور تمثیلی تصنیف "پلگرمس پروگریس" کے بعض مقامات سے ملتی جلتی ہیں۔ جن حضرات نے اس کتاب کو پڑھا ہے وہ سمجھ لیں گے کہ کرسچین اور اس کی زوجہ کی علامات مرگ ذیل کے بند سے کس قدر یگانگت رکھتی ہیں۔

سر کانپا چاندی بال ہوئے منہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا کے تھکیں

سُکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی وہ ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب شاعر کی جمعیت خاطر اور طمانیت نفس دیکھئے ایسی نازک حالت اور ایسے پُر آشوب وقت میں افعال اخلاق اور اعمال حسنہ کی تلقین کرتا ہے، اظہار خیال کے لئے سفر کا تلازمہ اختیار کیا ہے، اور اول سے آخر تک ایسی خوبی کے ساتھ قائم رکھا ہے، اب زندہ دلی ملاحظہ فرمائیے ایسی خشک و سنجیدہ نظم میں بھی ظرافت سے باز نہیں رہتے۔ چھٹا بند ملاحظہ کر لیجئے۔

خوشامد ایک آزمودہ کارانہ نظم ہے جس سے نظیر کی عالی ظرفی اور پختہ خیالی کا ثبوت ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سلجھی ہوئی طبیعت پائی تھی اور بڑے دور بیں و مآل اندیش تھے۔ اور ان سب باتوں کی اس نظم سے بالواسطہ تلقین ہوتی ہے۔ خوشامد سے یہ مطلب نہیں کہ آدمی کمینوں کی طرح مبتذل خوشامد کرے اور اپنے کو اس قدر گرا دے کہ خودداری پہ حرف آئے بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ دنیا میں عموماً نیک برتاؤ اور اس طرح کا عمل کرے جس سے نہ کسی کا دل دکھے نہ کسی کو آزار پہنچے۔ دوسرے لفظوں میں صلح کل اور منکسر مزاج رہنے اور غرور و تکبر سے پرہیز کرنے کی تلقین ہے واقعہ یہ ہے کہ خوش خلق اور جھک کر ملنے والے کی سوسائٹی بڑی عزت کرتی ہے۔

آپڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اسے ڈھونڈتے پھرتے ہیں الفت کے خریدار اسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اسے اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اسے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

کلجگ ایک واعظانہ نظم ہے جس کا لہجہ قلندرانہ اور ڈھنگ فقیرانہ ہے جو نفس مضمون سے پوری مطابقت کرتا ہے۔ یہ نظم بہت پراثر اس لئے ہے کہ ان کی ہر نصیحت آزمودہ کاری پر مبنی ہے اس کو پڑھ کر برے سے برا اور سخت سے سخت دل ظالم بھی ایک مرتبہ تھرا اٹھتا ہے اور اپنے افعال قبیحہ کا نتیجہ بد اپنے سامنے پھرتا دیکھنے لگتا ہے۔ جس شاعر نے نظیر کی طرح تقریباً ایک صدی دنیا میں رہ کر اس کے نشیب و فراز کو دیکھا اور با ہمہ گر تعلقات کو برتا ہو وہی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ دنیا جائے مکافات ہے اس میں جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلہ نیک ہے بد سے بدی کی بات لے

نظم کی بہت بڑی اور بڑی ضروری خوبی یہ ہے کہ افعال کا باہم تواز ل کیا ہے یعنی یہ کہ جس قسم کی نیکی کروگے اسی قسم کا بدلہ ملے گا، جس انداز کی برائی پہ کمر باندھوگے اسی طرز کا بدلہ سہنا پڑے گا۔

میوہ کھلا میوہ ملے، پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے

اظہار خیال اور افعال نیک و بد کی مصوری کے لئے جیسے مناسب

جملے تلاش کئے ہیں وہ بجائے خود قابل داد اور کاٹنے کے تلے ہوئے ہیں، ہر جگہ اپنے مقام پر شاعر کی تلاش اور قادرالکلامی کا بین ثبوت ہے بحر ایسی ہے جس کا ترنم معلوم ہوتا ہے مثنوی فطرت نے خاص اسی نظم کے لئے وضع کیا ہے

کانٹا کسی کے مت لگا گر مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیر سے حق میں زہر ہے کس بات پر پھولا ہے تو

مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

نظیر کے ناصحانہ کلام میں یہ نظم ہمارے نزدیک ہر اعتبار سے جملہ کلام پر فوقیت رکھتی ہے، اس کی بیش قیمت نصائح اس قابل ہیں کہ ہم انہیں اپنے بچوں کے نصاب تعلیم میں داخل کریں تاکہ انہیں خوش اخلاقی اور نیک کرداری کی تلقین ہو اور وہ آئندہ زندگی میں دنیا کے انقلابات اور عالم کے تغیرات سے ڈرتے رہیں حقیقت یہ ہے کہ اعمال کی سزا و جزا کی تشریح اس سے بہتر نہیں ہو سکتی، لقمان جو نصیحت اپنے عارضی آقا کو کرنے کے لئے مدت تک موقعہ کا منتظر رہا وہ نظیر ان سادہ الفاظ میں فرماتے ہیں، زبان کی سادگی اور عام فہمی کی کہاں تک توصیف کیجائے۔ سنئے۔

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاویگا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ کل واں پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا کلپاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

مفلسی مصورانہ نظم ہے لیکن موضوعِ مصوری چونکہ کوئی دلچسپ چیز نہیں اس لیے نظم میں کوئی خاص لطافت وجاذبیت پیدا نہیں ہوتی ۔ نظیر کے کلام میں یہ ایک معمولی سی نظم ہے اس میں کوئی خاص حسن شعری نہیں، نہ عمق تخیل ہے نہ رنگینیٔ الفاظ مگر سادہ الفاظ میں بھی جو کچھ بیان کیا ہے وہ واقعیت کا بالکل سچا عکس ہے ۔ یہ امر مسلم ہے کہ ہر چیز کا صحیح اندازہ تجربہ کے بعد ہوا کرتا ہے دنیا کی بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو بہت سے لوگ کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے اس لئے کہ وہ کبھی اُن کے تجربہ میں نہیں آئیں مثلاً ایک دولتمند جو ہمیشہ عیش و عشرت میں بسر کرتا رہا ہے عسرت و مفلسی کی تکالیف سے کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکتا، میاں نظیر نے اس موقعہ پر کتنا سچ فرمایا ہے ۔

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی　　کس کس طرح سے اسکو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی　　بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مفلسی

یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

دلچسپ عنوانات اور رنگین موضوعات پر لکھ کر نظم کو مقبول اور دلچسپ بنا لینا کوئی بڑی بات نہیں، دوسرے درجہ کے شعرا بھی ایسا کر لیتے ہیں، لیکن خشک مضامین میں شعریت پیدا کرنا اساتذۂ طبقہ اول کا کام ہے۔ اس قسم کی نظموں سے میاں نظیر کی اہلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہر چند وہ مفلس نہ تھے بلکہ برخلاف اس کے نہایت فارغ البالی اور بےفکری سے بسر کرتے تھے لیکن پھر بھی اُنہوں نے مفلسی کی حالت اس خوبی سے لکھی ہے گویا خود اُن پر یہ حالت گزر چکی ہے۔ یہ شیکسپیر کی خصوصیت اول سمجھی جاتی ہے لیکن نظیر میں بھی کمال کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کہنا کہ یہ نظم بیساختہ اور غیر مصنوعی ہے نظیر کے لئے کوئی ستایش نہیں لیکن اس کے علاوہ اور بھی محاسن ہیں اور وہ مجملاً یہ ہیں کہ باوجود طویل ہونے کے نظم میں بدمزگی اور توارد نہیں، ہر جگہ ایک نیا خیال نظم کیا گیا ہے اور جو خیال جس موقعہ پر ہے اس کا پورا حق ادا کیا گیا ہے، زبان بہت صاف ہے اور متروکات کا استعمال شاذ ہے۔ یوں تو مفلس کی مجبوریاں ہر جگہ نہایت افسوسناک ہیں لیکن یہ بند کس قدر دل شکن اور درد آمیز ہے۔

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کو آن کو ۔۔۔ سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اسکی کھپاتی ہے جان کو ۔۔۔ چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو

آخر نداں بھیک منگاتی ہے مفلسی

معجزہ حضرت علی علیہ السلام ایک شیعیانہ اور عقیدت مندانہ نظم ہے لیکن اس کا اختتام سپاس مندانہ الفاظ میں ہے معجزہ کی واقعیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا، اگر یہ مان لیا جائے کہ معجزہ واقعی ہوا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظیر تک اس کی اطلاع کیونکر پہنچی اور راوی کس حد تک معتبر ہے، غالب گمان یہ ہے کہ معجزہ کا واقعہ نظیر کی خیال آرائی کا ثمرہ ہے لیکن جس ذات سے معجزہ منسوب کیا جاتا ہے چونکہ اس سے ایسے ایسے لاکھوں معجزے ظہور میں آئے ہیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ نظیر کا خیال غیر فطری یا خلاف عادت واقعہ کی طرف رجوع ہوا، بہرحال ہمیں اس سے بحث بھی نہ ہونی چاہئے کیونکہ یہ کام وقائع نگاروں اور مورخوں کا ہے ہمیں تو صرف شاعرانہ اعتبار سے نظم پر نگاہ ڈالنی ہے معجزہ کی ابتدا بالکل اس طرح ہوتی ہے جیسے کہ کوئی شخص بیٹھا ایک جماعت کے روبرو کچھ بیان کر رہا ہے کسی واقعہ یا قصہ کے شروع کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے :-

سنتے ہو اے علیؑ کے محبان دوستدار ۔۔۔ اک معجزہ میں کہتا ہوں اس شہ کا آشکار
ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار ۔۔۔ تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار
اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

دوسرے بند میں شیر و شیرنی کے مسکن کا نقشہ ہے لیکن تیسرا بند اسقدر

موثر ہے کہ بے اختیار جی بھر آتا ہے اول کے دو مصرعوں سے شیرنی کی بے فکری اور مسرت کا اظہار ہوتا ہے اور آخر کے تین مصرعوں سے غم کی پوری کیفیت طاری ہوجاتی ہے، آخر کا مصرع خصوصاً نہایت پُر درد ہے، بہائم کے بچے حالانکہ جنگل میں اکیلے رہتے ہی ہیں ان کا ماں باپ سے چھوٹ جانا بھی کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن شاعر کے انداز بیان نے منظر کو اس قدر پُر درد بنا دیا ہے کہ یہ دیکھ کر کہ بچے جنگل میں اکیلے رہ گئے کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ جب شیر اور شیرنی با حالت تباہ واپس آئے اور دونوں بچے گھر میں نہ دیکھ کر شیر سے ضبط نہ ہو سکا تو وہ غش کھا کے گر پڑا لیکن شیرنی نے جو رویہ اختیار کیا اس سے نہایت عالی ہمتی کا ثبوت ملتا ہے۔ مادرانہ محبت کی فوقیت اور نسائیانہ ضبط و تحمل کو اس طرح دکھایا ہے:۔

وہ شیر کھا کے غش گرا اکبار کر کے آہ اور شیرنی نے لی نجف اشرف کی راہ سے راہ

سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

آگے چل کر شیرنی کی مصیبت اور بیکسی کی تصویر جن پُر درد الفاظ میں کھینچی ہے وہ آپ اپنی مثال اور دل ہلا دینے والی چیز ہے شیرنی کے دفعتاً بازار نجف میں پہونچ جانے سے وہاں کے باشندوں میں جو تھلکہ پڑا اس کے بیان میں محاکات خوف و انتشار کا پورا پورا حق ادا کیا ہے، روضۂ انور پر پہونچنے کے بعد شیرنی کی حالت کا مرقع مصوری کی تکمیل اور جذبات نگاری کی انتہا ہے

شریفوں کا شیرنی کی حالت زار پر رحم کھا کر جناب مقدس میں عرض کرنا اور وہاں سے جواب ملنا، بچے لیجانے والے بادشاہ کی تنبیہہ ہونا اور اسکا خوف سے تھرّا کر بچے روانہ کرانا، بچوں کا بخف میں آنا ماں سے ملنا اور شیرنی کا اظہار سپاس و احسانمندی، یہ تمام واقعات اس خوبی کے ساتھ بیان کئے ہیں جنکا لطف بار بار پڑھ کر دل ہی خوب محسوس کر سکتا ہے۔ بہر حال اس نظم کا کوئی بند کیف سے خالی نہیں اور پوری نظم ادب و آرٹ کی ایک اختراع فائقہ ہے۔

ایک مذہبی نظم کو جس کا تعلق محض ایک فرقہ کے عقیدت مندانہ حسیات سے ہو اس قدر دلچسپ، عام پسند اور مکمل بنا دینا صرف نظیر کا کام تھا۔ سچ ہے جس شخص کا اخلاق ظرف اور استغنا اس حد تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ حضرت علی علیہ السلام جیسے صاحب جود و سخا کی بارگاہ کرم سے صرف آبرو کا طالب ہو وہی ایسی بلند پایہ نظمیں لکھ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آبرو دنیا کی نعمتوں میں سب سے زیادہ فائق ہے اور اس کی طلب سے نظیر کے نفسیات کی پاکیزگی اور علو کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس شخص کا دماغ تکمیل کے ایسے اعلیٰ نقطہ پر پہونچا ہو اس کے منہ سے کیونکر کوئی معمولی شعر نکل سکتا ہے۔

دوالی کی نظم ایک معاملہ بندانہ نظم ہے جس میں رندانہ خیالات کی اول سے آخر تک بھرمار ہے لیکن نظم میں معاملہ بندی کی پوری داد نہیں دی گئی، دوالی کی صرف سطحی باتوں پر نظر ڈالی ہے دلچسپ باتوں کو نہ معلوم کیوں نظر انداز کیا

ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دوالی کا تیوہار ہندوستان کی خصوصیات میں سے ہے اور اپنے اندر بڑی جاذبیت اور لطافت رکھتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ نظیر نے اس کے زریں پہلو کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور محض مبتذل اور سیاہ رخ پر نظر ڈالی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ معاشرت کا تعلق انہی باتوں سے زیادہ سمجھ کر انہی پر زور دینے کی کوشش کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تیوہار کی برائیوں کی جانب توجہ دلاکر اُن کی اصلاح کرنا مدِنظر ہو۔ ممکن ہے اسطرح اخلاقی خوبیاں پنہاں نکلیں، لیکن شاعری کے اعتبار سے نظم میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ اکثر اوقات بندش سست اور مصرع کمزور ہیں۔ صحت لفظی کا بھی کہیں کہیں نقص موجود ہے متروکات کا استعمال بھی ہے۔ بہرحال دوالی پر جیسی دلچسپ اور مکمل نظم نظیر لکھ سکتے تھے یہ اس قسم کی نہیں۔ لیکن آخر میں نظیر نے اپنے رنگ کی خصوصیت قائم رکھی ہے۔ جواریوں کی برائیاں دکھاکران کا فطری رحم جوش میں آتا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ کہیں میری باتوں سے اِن لوگوں کا دل نہ دُکھا ہو۔ اس ڈر سے فوراً اِن کی اشک شوئی کرنے کے لئے وہ اپنے کو بھی اُن کے زمرہ میں داخل کرکے کہہ اُٹھتے ہیں :۔

نصیحتیں ہیں انہیں دل سے مانیو یارو ۔۔۔ یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ اِن کو جانیو یارو
جو جواری ہو نہ بُرا اس کا مانیو یارو ۔۔۔ جہان کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو

نظیرؔ آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

حضرت سلیم چشتی ایک سپاس سندانہ نظم ہے اور اپنی نوعیت میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ ایک ایسے شاعر کی قلم سے جس کا مذہب شیعہ ہو ایسی نظم کا نکلنا نہایت تعجب انگیز ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاعر وہی ہے جو حسن کو حسن سمجھ کر دیکھے اور مذہب کا صحیح احساس رکھتا ہو۔ مذہب کبھی کسی بزرگ سے سوئے ظنی رکھنا نہیں سکھاتا بلکہ محبت و عقیدت کی تعلیم دیتا اور احترام تلقین کرتا ہے مذہب تعصب کو خصوصاً بُرا سمجھتا ہے لیکن شاعر کے لیے تو یہ سم قاتل ہے۔ جہاں تعصب نے دراندازی شروع کی اور طبیعت نے یک طرفی پر کمر باندھی شاعری تباہ ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ نظیر کے یہاں تعصب کا نام نہیں ہے اسی لیے اُن کے کلام میں ایسی سحر اثری پائی جاتی ہے، یہ نظم ہر اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہے، خیالات میں علو، الفاظ میں شکوہ، اور تراکیب میں شستگی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے، بندشیں نہایت چست اور مصرع بالکل بیساختہ ہیں۔ ہر بند برابر کا نپا تلا ہے اور پوری نظم ایک رنگ میں ہے، زبان میں صفائی اور ادبیت ہے اور متروکات کا استعمال بالکل نہیں ہے۔ دیکھیے پہلے بند سے کس قدر محبت اور عقیدت ٹپکتی ہے :-

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتی ‌ ‌ ‌ عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتی ‌ ‌ ‌ مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

دوجہاں کے سلطان، عالم کے دین وایماں، سروفتر مسلماں، سردار ملک عرفاں،
کہنا احترام اور عقیدت مندی کی انتہا ہے یہی وہ مقامات ہیں جہاں تعصب پرزہ
پرزہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس نظم میں جگہ جگہ نہایت پاکیزہ خیالات کا اظہار
کیا ہے لیکن آخر کا بند خاص نظیر کے رنگ کی چیز ہے :-

عالم ہے سب معطر تیرے کرم کی بو سے — حرمت ہے دوستوں کی حضرت تمہارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے — رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے

اے موجد ہر احسان حضرت سلیم چشتی

اس بند کا دوسرا مصرع الہامی ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ دوستی
کی اس سے زیادہ تعریف غالباً کسی لٹریچر میں میسر نہیں آسکتی۔ انتہا درجہ کی
محبت میں یہ الفاظ منہ سے نکل سکتے ہیں لیکن ہر شخص کا ظرف ان کے کہنے کی صلاحیت
نہیں رکھتا۔

ہولی ایک موسمی اور مصورانہ نظم ہے جو نظیر کے بہترین کلام میں سے ہے۔
اس نظم کو شروع اس خوبی سے کیا ہے کہ موسم کی حالت و کیفیت کا پورا اندازہ
صرف لفظوں سے ہو جاتا ہے۔ پہلے بند کا پہلا مصرع تو موسم کی حالت بہت ہی
صاف صاف بتاتا ہے لیکن تیسرے مصرع میں جو حسین ذریعہ موسمی کیفیت اظہار
کرنیکا نکالا ہے اسکی پناہ نہیں،

پریوں کے رنگ دیکھتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

بحر کا ترنم اور الفاظ کی نشست تو نظم کی جان ہیں لیکن تیوہار کی تفصیلات کی مصوری جس انداز سے کی ہے اس سے معاشرت پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے، ہولی کی رنگ رلیوں کا محفل کی دلچسپیوں سے جہاں تک تعلق ہے اُن کا سماں دیکھئے کیسا پُرکیف اور کتنا مہیج ہے:-

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھہ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش مزے کے عالم میں ایک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس نظم کو بار بار اور گا گا کر پڑھنے سے قوت خیال ہولی کا ایک ذہنی سماں اپنے لیے پیدا کر لیتی ہے جس کا لطف صرف اسی حالت میں محسوس کیا جاتا ہے اور ضابطۂ تحریر میں کسی طرح نہیں آسکتا۔

نانک شاہ گرو سپاس شدانہ نظم ہے اور اس سے نظیر کی وسیع النظری مذہبی بے تعصبی اور معلومات عامّہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیکھئے کس عقیدت و احترام کے ساتھ فرماتے ہیں:-

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو

مقصود، مراد، امید، سبھی بر لاتے ہیں دلخواہ گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور حمد کرو واہ گرو

یہ نظم کسیقدر خشک اور بدمزہ ہے لیکن اسکی وجہ ظاہر ہے۔ چونکہ اس کا تعلق ایک فرقہ کے عقیدت مندانہ جذبات سے ہے اس لیے ہر شخص کے دل پر اثر نہیں کرتی۔ اس کی پُر اثری اور معنویت کا حال سکھوں سے پوچھئے، نظم میں سکھوں کی مذہبی اصطلاحوں اور پنجابی الفاظ کا استعمال بہت ہے جو ہم لوگوں کے لیے غیر مانوس ہیں۔ نظم میں فی نفسہ کوئی تصنع یا غیر فطری پہلو نہیں لیکن اس سے بھی بالاتر بند کے آخری دو مصرع جو ہر بند میں دوہرائے گئے ہیں خاص دل سے نکلی ہوئی چیز ہیں اور دل پر اثر کرتے ہیں:۔

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

کنہیا جی کا جنم ایک معاملہ ہندانہ وحاکیانہ نظم اور خالص ہندو مذاق کی چیز ہے۔ یہ اس قبیل کی نظموں میں سے ہے جو کسی شاعر کو اس کی جنس میں ممتاز کیا کرتی ہیں۔ ہر شاعر اپنے حصہ کی ایک نہ ایک خصوصیت اپنے رنگ میں سب سے علیحدہ رکھتا ہے جو صرف اسی کا حصہ ہوا کرتی ہے اور یہ نظم نظیر کی

اسی خصوصیت کی مظہر ہے۔ اول تو یہ قدیم علم الاصنام ہند کے متعلق ہے اور
اس لیے اس سرزمین کے تمام شاعرانہ مذاق رکھنے والوں کے لئے دلچسپی
رکھتی ہے دوسرے چونکہ مذہب سے بھی متعلق ہے اس لئے ہندوؤں کی خاص
دلچسپی کی شے ہے، پھر یہ کہ قدیم ہندو معاشرت اور رسم و رواج کا بھی اس
سے کافی اندازہ ہو جاتا ہے۔ بھاشا کے مانوس اور نامانوس دونوں قسم
کے الفاظ کا اس میں کثرت سے استعمال ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ نظیر ہندو فلسفہ اور ہندو نجوم سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے
کیونکہ جگہ جگہ ان علوم کے حوالے بالواسطہ اور بلاواسطہ موجود ہیں۔ بھاشا
کے الفاظ اس نظم میں خصوصاً اس قدرت کے ساتھ استعمال کئے گئے
ہیں جس سے اس زبان پر بھی نظیر کا اجتہاد ظاہر ہوتا ہے۔ دیکھئے
کرشن جی کے لئے کتنے صفاتی نام مہیا کئے ہیں:-

پھر آیا واں ایک وقت ایسا جب آئے گرب میں منموہن
گوپال، منوہر، مرلیدھر، سیکشن، کشورن کنول من
گھنشام، مرار، بنواری، گردھاری، سندر شیام برن
پربھو ناتھ، بہاری، کان للا، سکھدائی، جگ کے دکھ بھنجن
جب ساعت پرگٹ ہونے کی واں آئی مکٹ دھریا کی
اب آگے بات جنم کی ہے جے بولو کشن کنہیا کی

جہاں عورتوں کی رسموں کا سماں کھینچا ہے وہاں عورتوں کی زبان بڑے کمال کے ساتھ لکھی ہے اگر یہ خصوصیت جسکی اس موقعہ کے لئے نہایت ضرورت تھی اس کمال کے ساتھ نہ ہوتی تو اس نظم اور بالخصوص اس مقام کا پایہ بہت گر جاتا - نظم کا یہ مقام خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہے گھر میں بچہ پیدا ہونے کے وقت خواتین کے مشاغل، انکی سرگرمیوں اور مسرتوں کا دیکھئے کیسا بہمثال صحیح اور لطیف نقشہ کھینچا ہے -

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آ بیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت خچاکے گاتی تھیں

کچھ ہر دم مکھ اس بالک کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ تھال بنجیری کے رکھتیں، کچھ سونٹھ سٹھورا کرتی تھیں

کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کوئی گھٹی بیٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور دھوسی
کوئی لائی ھنسلی اور کھڑوے کوئی کرتہ ٹوپی میوہ گھی

کوئی دیکھے روپ اس بالک کا کوئی ماتھا چومے مہر بھری
کوئی بھنوؤں کی تعریف کرے کوئی آنکھوں کی کوئی پلکوں کی

کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اسے بیر تمہارے بالے کی

کوئی کہتی بیاہ بھولا دُ اس آس مرادوں والے کی
کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے جینا تیری نیک رتی
یہ بالے ان کو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑے بھاگی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑے اس گھر کے بھی
یہ باتیں سب کی سُن سُن کر یہ بات جسودا کہتی تھی
اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگواں کی مہر کرپا ہے

اِن بندوں کی کوئی خصوصیت کسی کی نظر میں ہو یا نہ ہو لیکن موسیقیت تو اس غضب کی ہے کہ دل بے قابو ہوا جاتا ہے۔

بانسری ہندو مذاق کی ایک وصّافانہ نظم ہے جو کرشن جی کی زندگی کے محبوب ترین شغل شوق و تفنّن کا نقشہ کھینچتی ہے۔ ہندوؤں کے لئے تو اس نظم میں خدا جانے کیسی جاذبانہ عقیدت پنہاں ہے لیکن دوسرے لوگوں کے لئے بھی اِس کی ترنم لطافت کی پناہ نہیں۔ سنئے:۔

جس آن کانہ جی کو وہ بنسی بجاؤنی ۔۔۔ جس کان میں وہ آونی واں سدھ بھلاونی
ہر من کی ہو کے موہنی ادر چت لبھاونی ۔۔۔ نکلی جہاں دھن اسکی وہ میٹھی سہاؤنی
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیانے بانسری

نظم کے عنوان اور نفس مضمون میں جس قدر شعریت ہے آئی نظم میں نہیں، متروک الفاظ اس کثرت اور بھاشا کی اصطلاحیں اس بہتات سے استعمال کی ہیں کہ نظم کے معانی اِس زمانہ کے اُردو داں طبقہ کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں بھاشا کے ایسے الفاظ کا استعمال ہے جو عام طور پر سمجھ میں آ سکتے ہیں تو وہ مقامات مار رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ ذیل کے بند کو ذرا پڑھئے اور پھر وہ سماں ذرا نگاہوں کے سامنے کھینچنے کی کوشش کیجئے دیکھئے کیا کیفیت طاری ہوتی ہے :۔

موہن کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن ۔ لَے اُسکی من کی موہنی دھن اُسکی چت ہرن

اس بانسری کا آن کے جس جا ہو آ بجن ۔ کیا جل پون نظیرؔ پکھیرو و کیا ہرن

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری

ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

آگرہ کی پیراکی ایک مصورانہ نظم ہے اور لوکل کلر یا مقامی رنگ کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ نظیرؔ نے برسوں آگرہ کا یہ میلا دیکھا ہے فی الحقیقت بڑی حق تلفی ہوتی اگر وہ اِس میلہ کا اتنا حق بھی ادا نہ کرتے۔ آگرہ کی تیراکی نے انہیں طرح طرح سے بہلایا اور ان کے لیے ہزاروں طرح کی دلچسپیاں اور مسرتیں پیدا کی ہیں اِس لئے اِن تمام لطیف احسانات کے بدلے میں نظیرؔ نے بھی اس میلے کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ کہتے ہیں :۔

جب پیرتے تھی رتیاں دلدار پیرتے ہیں   عاشق بھی ساتھ اُنکے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے سیانے تھے وہ ہشیار پیرتے ہیں   پیر وجوان لڑکے عیار پیرتے ہیں
ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

یہ نظم بڑی پاکیزہ اور مشہور نظموں میں سے ہے، جہانتک نظم کا تعلق ہے ہر مصرع نہایت پُرکیف بے تصنع اور بیساختہ ہے۔ زبان بالکل صاف، شستہ اور متروکات سے معرا ہے، اب رہا نفس مضمون تو اسکی خوبیاں بھی اپنی جگہ پر مستقل اور غیر فانی ہیں۔ آگرہ میں دریا کنارے جس قدر مشہور مقامات اس وقت تھے اور جن کا تیراکوں سے کوئی لگاؤ تھا، ان سب کا تذکرہ کر کے ان کی تاریخ کو زندہ کر دیا ہے۔ ان میں سے بہت سے مقامات کے جاننے والے بھی اب باقی نہیں، اگر نظیر کی یہ نظم نہ ہوتی تو ان مقامات کے نام بھی انکی عمارتوں کے ساتھ مٹ جاتے تاریخ پر نظیر کا یہ بہت بڑا احسان ہے، اس کے علاوہ پانی کی مختلف ہیئتوں کے نام ایک بند میں اکٹھے کئے ہیں، یہ زبان پر بڑا احسان ہے۔ ہرچند یہ نام تیراکوں کی زبان پر ہیں اور بہت سے وہ بھی نہیں جانتے لیکن عامۃ الناس ان سے قطعی بے خبر تھے۔ نظم میں ان کا ذکر لانے سے اول تو ان میں ادبی شان پیدا ہو گئی ہے اور جو کچھ عدمیت تھی وہ زائل ہو گئی ہے دوسرے پانی کی ہیئتوں کے

لیے جو اب تک صرف دیکھی جاتی تھیں مگر بیان نہ ہو سکتی تھیں، الفاظ مہیا ہو گئے ہیں جن کو ہر شخص روزمرہ اور ادبیات میں بھی استعمال کر سکتا ہے۔ ان سب باتوں کے ماسوا اس نظم میں بہت سی شاعرانہ خصوصیات بھی ہیں جو بالذات بڑی کیفیت رکھتی ہیں۔ تیراکی کا سماں دیکھیے :-

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے
پیراک اس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے

مُنہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے
پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینہ
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ

آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ
سروؤں کا یہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

موسم زمستاں موسمی نظم ہے اور اپنے مقام پر اختراع فائقہ کا حکم رکھتی ہے

اس نظم میں موسم کی حالت پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی ہے اور کئی طرح سے زمستان کی مصوری کی ہے۔ سب سے پہلے نفس زمستان کی محاکات نگاری کی ہے دیکھئے :۔

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا غم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

اس بند کا پہلا مصرع تو خیر ایک واقعہ کا اظہار کرتا ہے لیکن دوسرے مصرع میں صرف دو لفظوں "ہنس ہنس" سے شاعر نے کمال دکھایا ہے اور جاڑے کی انتہائی تکلیف پیش نظر کر دی ہے۔ جاڑے کو ایک انسان قرار دے کر یہ دکھایا ہے کہ جب وہ اہل عالم کو سردی کی تکلیف میں مبتلا دیکھتا ہے تو اس کو انکی حالت زار پر بجائے رحم آنے کے ہنسی آتی ہے وہ اُن پر تمسخر کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ ختم ہو کر دنیا کو سردی کی اذیت سے نجات دے اور سنبھل جاتا ہے۔ تیسرے مصرع پھر سردی کی فریب کاری کا اظہار کرتا ہے۔ چوتھے مصرع میں سارات کا سماں اور جاڑے کی سختیوں کا ذکر ہے۔ پانچویں مصرع میں دکھایا ہے کہ جاڑا اپنے افعال سے پہلے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ چلا جائے گا

اور پھر طرح طرح سے دھوکا دیتا ہے۔ لیکن آخر کار دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے پھر خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی سختیاں شروع کر دیتا ہے یعنی یہ کہ سچ مچ کا جاڑا پڑنے لگتا ہے۔

یہاں تک تو زمستاں کے مظالم اور اس کی فریب کاریوں کا ذکر تھا اب ان کا اثر انسانوں پر ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھئے سردی میں انسان کی کیا حالت ہوتی ہے اور پھر اس حالت کو کس قدر تفصیل کے ساتھ شاعر نے دکھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذیل کے بند میں نظیر نے محاکات کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور مصوری کی قرار واقعی داد دی ہے۔ دیکھئے سماں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی

ہو شور پھپو ہو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی سی کی
کلّے پہ کلّہ لگ لگ کر چلتی ہو منہ بن چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

تھر تھر کا زور، بتیسی بجنا، پھپو ہو ہو ہو، سی سی سی سی، کلّہ پر کلّہ لگنا، دانتوں کا چنے سے دلنا یہ ایسی باتیں تو ہیں نہیں جنکی تشریح کی ضرورت ہو، سردی کے موسم میں ہر شخص پر یہ حالت گزرتی ہے، لہذا آپ

بیتی کا خود اندازہ کر کے ہر شخص نظیر کی محاکات نگاری کی داد دے سکتا ہے ہمارے بتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

اس نظم میں مصور شاعر کے عاشقانہ وجدانہ جذبات خاص طور پر نمایاں ہیں۔ جاڑے کی مصوری کرنے میں آگے چل کر نظیر نے تخیل سے بہت زیادہ کام لیا ہے اور سردی کو مکمل نمونۂ صنعت و آرٹ بنانے کی کوشش کی ہے بظاہر یہ دو باتیں یعنی معاملہ بندی اور تخیل آرائی یا یوں کہیے کہ مصوری (عکاسی) اور صناعی (آرٹ) نقیضین معلوم ہوتی ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے۔ واقعات کی مصوری اور صناعی یا آرٹ میں جس کی تمام تر بنا تخیل پر ہوتی ہے ہمیشہ بہت بڑا فرق ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں ایک حد مقرر ہوتی ہے اور نگاہ اس سے باہر کسی طرح نہیں جاسکتی۔ لیکن دوسری صورت میں خیال بالکل آزاد ہوتا ہے اور تصویر کی تکمیل خیال کی بلند ترین پرواز پر منحصر ہوتی ہے۔ اس لیے یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ لیکن نظیر نے مصوری اور آرٹ کو ایک جگہ جمع کر کے مافوق العادت کمال شاعری، اور مجتہدانہ بصیرت مصوری کا ثبوت دیا ہے۔ معاملہ بندی میں جا آرائی کا لطف ملاحظہ فرمایئے۔

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا

چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

اس کے بعد کے دو بندوں میں عاشقانہ و جوانانہ جذبات کا اظہار ہے۔ یہ دونوں بند کسی قدر عریاں ہیں لیکن اتنی مہذب عریانی کی مثال مشکل کسی لٹریچر میں مل سکتی ہے۔ پانچویں بند کا تیسرا مصرع :-

محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی چٹکی لاتیں ہوں

محاکات کی اعلیٰ ترین و نادر ترین مثال ہے۔ ہر چند نہایت عریاں ہے لیکن پھر بھی کوئی اعتراض عریانی کا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کھلے الفاظ میں کوئی بات نہیں کہی گئی نہ الفاظ ہی فرداً فرداً ایسے ہیں جن میں خواہ مخواہ کوئی عریانی ہو، لیکن صرف الفاظ کی نشست اور مصرع کے سیاق سے وہ سماں کھینچا ہے جسے ہزار تصویریں بھی ادا نہیں کر سکتیں۔

اوس ایک موسمی اور مصورانہ نظم ہے جسے صرف ہندوستان کا فطری شاعر لکھ سکتا ہے اس نظم میں اوس کی جملہ تفصیلات اور پھر اس سے جو جو اذیتیں انسان کو پہنچتی ہیں وہ سب نہایت خوبی کے ساتھ بیان کی ہیں، بلکہ ایسی مصوری کی ہے کہ نظم پڑھتے پڑھتے اوس کی کیفیت طبیعت پر طاری ہو کر جی گھبرانے لگتا ہے اور اوس کی سی اذیت ہونے لگتی ہے،

دیکھئے برسات کے زمانہ میں بڑی گرمی سے قلب میں جو اضطراب اور طبیعت پر جو ہجوم تکدر وانقباض ہوتا ہے اس کا یہ سماں کتنا مصورانہ ہے :-

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پھر بندسی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پنکھے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کمر بند
دم رک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اس نظم میں بھی نظیر نے ایک جگہ مصوری یعنی عکاسی اور آرٹ کو ملا کر ایک نئی چیز پیدا کی ہے اور اوس کا ایک خیالی منظر پیدا کیا ہے ملاحظہ ہو:-

ایک کوٹھری ہو جس میں دھواں آکے بھرا ہو
او مس میں تو لازم ہے نہ پنکھا نہ ہوا ہو
اس وقت مزہ دیکھئے اوس کا کہ کیا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گرمی سے بلا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

"اوس،، اول سے آخر تک مکمل چیز اور مصوری کی اختراع فائقہ ہے۔ نظم فی نفسہ نہایت پاکیزہ، غیر مصنوعی اور بیساختہ ہے۔ زبان بالکل صاف

اور متروکات سے معرّیٰ ہے نظیبسا کی شاعری کے اعلیٰ نمونوں میں اوس بلاخوف تردید پیش کی جاسکتی ہے۔

کورا برتن و مشافانہ نظم ہے اور اس فہرست کی نظموں میں سے ہے جن پر اُردو زبان اور ادب لطیف بجا ناز کرسکتے ہیں۔ اس کے لٹریچر میں اد قدیم کی سی سادگی اور لطافت اور اس کے خیالات میں الہامی کلام کی سی شادابی، وسعت اور علو ہے، کہتے ہیں :-

کورے برتن میں کیاری گلشن کی　　　جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی　　　کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

واقعہ یہ ہے کہ جنہوں نے سن سن کی وہ پیاری صدا سنی ہے اور کورے برتن کی وہ معصوم و شاداب کیفیت جو اس میں پانی پڑتے وقت ہوتی ہے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے وہ تو اس بند کا پورا لطف خوب اُٹھا سکتے ہیں لیکن جنہوں نے نہیں دیکھی اُن کے لئے بھی اسکی خیالی لطافت بادۂ ناب کے سرور کا حکم رکھتی ہے :-

دوسرے بند میں پانی کی نوعی بزرگی کا اعتراف کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ پانی جب کورے برتن میں ملتا ہے تو اس کے سامنے آبِ حیات کی بھی کوئی

حقیقت نہیں رہتی۔ فی الحقیقت کوئی نہیں جانتا کہ آب حیات کیا چیز ہے لیکن پانی ہزاروں آدمیوں نے کورے برتن میں پیا ہے جس سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ پانی کا مزہ کورے برتن سے بہتر کسی چیز میں نہیں آسکتا۔ پس جب پانی کا اس سے بہتر مزہ انسان کے تجربہ میں نہیں۔ تو یہ کہنا کہ کورے برتن میں پانی پینا آب حیات کے مزہ کو مات کرتا ہے مبالغہ نہیں۔ اب ذرا ان مصرعوں کی تازگی اور شادابی ملاحظہ کیجئے :-

سوندھی سوندھی ٹھلیاں باندھیں ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں

اب آگے بڑھئے اور کورے برتن اور اس کے متعلقات کے دوسرے لطائف دیکھئے :-

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا اس کا جوبن کہیں ادھر ہی مٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا دل گگھڑے کی طرح سے دے پٹکا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

دوسرے مصرع میں صرف "مٹکا" کے ایک لفظ سے جو مطلب ادا کیا اور سماں کھینچا ہے وہ دوسرے لفظوں میں پوری نظم سے بھی ادا نہیں ہو سکتا تیسرے مصرع میں جو جاذبیت ہے اسے دیکھ کر ٹیگور کی یہ نظم یاد آتی ہے :-

"جب دلہنیں پانی لینے جاتی ہیں تو اس مقام پر آتی ہیں اور مسکراتی ہیں۔

وہ ضرور کسی شخص سے واقف ہونگی جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں۔ دونوں بہنیں جب اس جگہ سے گزرتی ہیں تو آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرتی ہیں، انہوں نے ضرور اس شخص کے بھید کو تاڑ لیا ہوگا جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں، یکایک اُن کے گھڑے ہلتے ہیں اور پانی چھلک جاتا ہے جب وہ اس مقام پر پہنچی ہیں۔ انہوں نے ضرور سمجھ لیا ہوگا کہ اس شخص کا دل دھڑک رہا ہے جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں۔ دونوں بہنیں جب اس مقام پر آتی ہیں تو ایک دوسری کی طرف دیکھتی ہے اور مسکراتی ہے۔ اُن کے تیز تیز بڑھنے والے پاؤں میں ایک خندہ مضمر ہے جو اس شخص کے دماغ کو پریشان کر دیتا ہے جو درختوں کے پیچھے کھڑا رہتا ہے جب کبھی وہ پانی لینے جاتی ہیں۔"

ٹیگور نے جو خیالات اور جذبات اظہار کرنے کے لئے ایک پوری نظم صرف کی ہے وہ نظیر نے صرف ایک مصرع سے ادا کئے ہیں۔

لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا

بظاہر یہ ایک مصرع ہے اور صرف ایک معمولی سے خیال کو ظاہر کرتا ہے لیکن پاؤں کے کھٹکے میں جو جو اردا تیں پنہاں ہیں ان کو سوچیے اور لطف اٹھائیے۔ خیال کی دنیا بہت وسیع ہے۔ اب دوسری کیفیت سے

لطف اندوز ہوجیے نظیرؔ فرماتے ہیں:-

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

دیکھیے یہ بند کس بہار کا ہے - اسکی اور اس کے بعد کے بند کی لطافت گرمیوں ہی میں محسوس کی جا سکتی ہے خصوصاً جس وقت پیاس لگ رہی ہو اس عالم کا پیشِ نظر ہونا تو درکنار اس بند کا پڑھنا ہی کافی ہے، دیکھیے کیا کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے اور کس قدر سکون محسوس ہوتا ہے۔ پہلے مصرع میں صرف دو لفظوں "عالم میں" نے شاعر کے تمام مطالب ذہنی ادا کر دیے ہیں اور کورے کوزوں کے جملہ محاسن ظاہری و باطنی اور ان کی ساری جاذبیت دکھا دی ہے۔ لیکن چوتھے مصرع کی لطافت و شگفتگی، شادابی و عطر بیزی کی پناہ نہیں، مسرت و سرور کی بے پناہ کیفیت قلب پر طاری کرتا ہے۔ نظم کا آخری بند کسی قدر رندانہ ہے لیکن آپ اپنی مثال ہے، دیکھیے اور سر دھنیے:

کوروں پہ جو نظیرؔ جوبن ہے جو جرے میں کہاں وہ کہن کہن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

تیسرے مصرع میں "باسن" کے لفظ نے "باسن" کہنے والی بہت سی قدیم ہستیاں یاد دلادیں اس لفظ کے بولنے والے آہ عرصہ ہوا پیوند خاک ہوگئے اور اب کورے باسنوں میں جنت کی شراب طہور پی رہے ہیں۔ دنیا میں باسن کا وجود صرف اُن ہی کے ساتھ تھا اور اِن ہی کی زبان پر وہ اچھا بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے وہ بھی اِن ہی کے ساتھ پیوند زمین ہو کر اپنے کل کا جزو جا بنا۔

کل شی یرجع الی اصلہ

کوا اور ہرن کا بچہ ایک منظوم قصہ اور حکایانہ نظم ہے جس کا ماخذ انوار سہیلی ہے۔ اس لئے ایک طرح اس کو مترجمانہ نظم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ایک کوے اور ہرن کے بچے کی دوستی کا فسانہ مندرج ہے جس سے نظیر کی قوت بیان و حکایت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس نظم کی زبان نہایت صاف اور شستہ ہے۔ اور نظم بھی فی نفسہ بالکل بے تکان اور بے ساختہ ہے۔ نظم کی وجہ سے مطالب ادا کرنے میں کوئی رُکاوٹ یا تصنع پیدا نہیں، بلکہ قصہ بالکل اسی طرح ادا ہوا ہے جس طرح نثر میں ہوتا۔ اردو میں طویل منظوم فسانوں کی کوئی کمی نہیں لیکن اتنے مختصر منظوم فسانہ بہت کم ہیں۔ یہ نظم اپنی نوعیت کی ایک

خاص چیز ہے جو بچوں کے درس میں شامل کرنے کے لئے بہت اچھی ہے
آخر میں نظیرؔ نے اس قصہ سے ایک اخلاقی نتیجہ اخذ کیا ہے جو بالذات
نہایت اہم اور سبق آموز ہے :-

گیدڑ نے اس ہرن کا جو چاہا تھا واں بُرا
پائی اسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا

تھا یہ تو نثر میں نے اسے نظم میں کیا
پہونچا نظیرؔ جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
کوّے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

خواب کا طلسم ایک معاملہ بندانہ و عاشقانہ نظم اور ایک پُر معنی ایمائیگری ہے جس میں دنیا اور دنیا کی دلفریبیوں کی بے ثباتی کی مصوری کی ہے۔ نظم اول سے آخر تک ایک رنگ میں ہے اور نہایت دلچسپ ہے اس کا لٹریچر اول درجہ کا ہے اور الفاظ کے انتخاب میں شاعر نے خاص طور پر اہتمام کیا ہے، کوئی لفظ، کوئی بندش، کوئی مصرع ایسا نہیں جو لطافت سے خالی اور ادبیت سے معریٰ ہو۔ غرض کہ پوری نظم ایک پُر کیف چمنستاں ہے جس کی دلکشی صرف اس کی سیر کرنے سے قلب پر اثر کرتی ہے۔ پہلے بند میں اس بیفکری اور فارغ البالی کا نقشہ ہے جو انسان کو کبھی کبھی میسر آجاتی ہے۔ اس کے بعد کے تین بندوں

میں دنیا کی ان نظر فریب آرائشوں اور سیمیائی جلووں کا سماں ہے جو انسان کو طرح طرح سے لبھاتے اور اس کو مافیہا سے غافل کر دیتے ہیں نظیرؔ کی سماں بندی کا ایک مختصر نمونہ ملاحظہ فرمایئے :۔

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے سے تمام بام
طاق و رواق اس کے چمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

اس کے بعد ایک ستم ایجاد مہ لقا کے حسن و جمال کا سراپا اس کے شباب کی زاہد فریبیاں، اس کی شوخیاں و طرحداریاں، اس کا سنگھار اور آرائشیں ان تمام باتوں کا تذکرہ ہے اور ان تمام کے مجموعہ سے مراد "دنیا" ہے۔ اب اس کا بے پناہ عالم اپنی آنکھوں سے دیکھئے :۔

خونریز ابرو جاں کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لئے تن ہی پناہ
منہدی سے انگلیوں نے کئے خون بے گناہ
آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہر گھڑی

آخر کے مصرع میں "ہر گھڑی" کا لفظ گو کسی قدر مبتذل اور سوقیانہ ہے لیکن اس سے مفہوم پورے طور پر ادا ہوتا ہے بلکہ مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے

کہ دوسرا لفظ یہ مفہوم ادا ہی نہیں کر سکتا، پس اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو مصرع تشنہ رہتا اور اس کا زور قطعی زائل ہو جاتا سراپا کا ایک سماں اور دیکھیے :۔

زلفیں وہ مشک ناب سی چہرہ وہ چاند سا
جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا
جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

یوں تو یہ بند کا بند بیمثال ہے لیکن اس کے چوتھے اور پانچویں مصرعوں کا جواب ناپید ہے۔ سرخ جوڑے کو شفق سے تشبیہ دینا تو خیر کوئی ایسی عجیب بات نہیں معمولی شاعر بھی ایسا کر سکتا ہے لیکن "تن کی جھمک" میں بجلی کی مشابہت دیکھنا صرف نظیر کی نازک بصیرت و شاعرانہ نظر کا کام تھا۔

اب اس کے بعد اس ستم ایجاد مہ لقا کی صحبت کا سماں دیکھیے۔

[illegible] یہ وہ حالت ہے جب عنانِ صبر و استقلال انسان کے ہاتھ میں کسی طرح نہیں رہ سکتی۔ اس سے مراد دنیا کے فریب ہیں، یعنی یہ کہ وہ طرح طرح سے ایسا کر انسان کو پہلے بے قابو کر دیتے ہیں اور پھر اس کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتے ہیں اور اس پر ستم تو یہ ہے کہ پھر بھی وفا نہیں کرتے اور

کم بخت، بد نصیب کو محروم ہی رکھتے ہیں۔ خیر اس رنج کو چھوڑ کے اور اب یہ سماں دیکھئے :۔

آتے ہی اس کے دل کا مرے کھل گیا چمن
عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی پھرن
نازک کمر وہ صاف شکم اور وہ نرم تن
گل سا ملا جو مجھ کو بنا گدگدا بدن
رگ رگ میں میری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی
لے کر بغل میں اس کو لگایا جو ہیں گلے
سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے دریے
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے
سینہ سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
لٹنے لگی بہار مزوں کی دھڑا دھڑی

یہ اس عالم کا سماں ہے جب انسان مسرتوں میں سرشار اور عشرتوں میں مدفون ہوتا ہے لیکن اس کیفیت میں یکایک یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے :۔

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل گئی

یہ اس حالت کا سماں ہے جب عارضی مسرت و انبساط کے پردے آنکھوں سے ہٹ جاتے ہیں اور انسان پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے ۔

آخر کا بند اس وقت کی حالت دکھاتا ہے جب عارضی عیش و نشاط کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسان پھر ایک غیر دلچسپ اور سادہ زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت ناقابل برداشت ہوتی ہے ۔ گذشتہ زمانہ کے عیش و عشرت کا فراق اس کو بیحد مضطرب رکھتا ہے اور اس کا تمام وقت اسی کی یاد میں کف افسوس ملتے گذرتا ہے لیکن اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا دیکھئے یہ وہی حالت ہے :۔

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آ کے یک بہ یک　　آنکھوں سے میری اس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اڑ گئی قرار گیا جل گئی پلک　　جاگا کیا نظیر میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

ریچھ کا بچہ بظاہر تو ایک طفلانہ نظم معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت یہ ایک حکیمانہ تمثیل یا ایلیگری ہے ۔ ریچھ کے بچے سے انسان کا نفس سرکش مراد ہے جو بہ مشکل رام کیا جا سکتا ہے اور قلندر سے مطلب خود حضرت انسان ہیں جو اس کو طرح طرح سے سدھا سدھا کر اپنا مطیع کر لیتے ہیں ۔ ریچھ کے بچے کی تعلیم و تربیت سے مراد ریاضت نفس ہے اور اس میں بہت زمانہ صرف ہوتا ہے ، ذیل کے بند میں اس کی طرف اشارہ ہے :۔

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ

جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

اس نظم میں باطنی معانی و معنوی مطالب کے علاوہ ظاہری خصوصیت اور شعری لطافتوں کی بھی کمی نہیں۔ دیکھئے ریچھ کے بچے کی کیا آرائش دکھائی ہے واقعی پری معلوم ہوتا ہے :۔

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول
مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول
اور اس کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

ذیل کا بند اس چھوٹے سے تماشے کے منظر کا مرقع اور فلسفہ اجتماع کا ایک مختصر کرشمہ ہے۔ دیکھئے اس کے چوتھے مصرع میں کس قدر خیالات کا مجموعہ ہے اس مصرع میں سات لفظ ہیں اور ہر لفظ سے ایک مستقل خیال اور جداگانہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے دریا کوزہ میں بند کرنا اسی کا نام ہے اور یہ صرف مجتہدین سخن ہی کا کام ہے ملاحظہ ہو :۔

اک طرف کو تھیں سینکڑوں لڑکوں کی پکاریں

اک طرف کو تھیں پیرو جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی چنگھاڑ اور اونٹوں کی ڈکاریں
غل، شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں
جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچہ
کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر
ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

بندر سے مراد ایام طفولیت ہیں جن میں قوت تقلید بڑھی ہوتی ہے۔ چوتھے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ بچپن اور بےفکری کا زمانہ ختم ہوگیا اب ذمہ داری کا وقت آگیا ہے اس لئے نفس شریر پر قابو پانے کی ضرورت ہے اس لئے اس کی تربیت میں مصروف ہیں۔

ذیل کے بند میں بڑا دقیق صوفیانہ راز مضمر ہے جس کا جاننا ہر عارف کے لئے بہت ضروری ہے۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی نفس کش اور مرتاض کیوں نہ ہو نفس کی مخالفت آخر عمر تک جاری رہتی ہے، دنیا میں بہت سی اس کی مثالیں موجود ہیں، بلکہ بعض اوقات نفس شریر غالب آکر عمر بھر

کی عبادت و ریاضت خاک میں ملا دیتا ہے۔ اس ضمن میں برجیصا زاہد کی مثال کس قدر دردناک اور عبرت انگیز ہے، پس پکا صوفی وہی ہے جو ہر وقت ہشیار رہے اور کسی وقت بھی نفس کے حملوں سے غافل نہ رہے اس بند سے اسی کی تلقین فرماتے ہیں :۔

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں اس نے کو جو جھاڑا
للکارتے ہی اس نے ہمیں آن لتاڑا

گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا
اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا

گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

آخر کے مصرع میں اپنی کسر نفسی اور نفس کی سرکشی دکھائی ہے۔ "بھی" کا لفظ بتا رہا ہے کہ نفس سختی کے ساتھ مخالفت کر رہا ہے مگر یہ بھی اس کے مغلوب کرنے پر آمادہ ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اپنی ریاضت کا کبھی غرّہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ امید و بیم میں رہے، اپنے کو کمزور اور اپنے مخالف کو قوی سمجھے اس وقت اسے پوری فتح کا امکان ہو سکتا ہے۔

راکھی ایک ہندوانہ و عاشقانہ نظم ہے جو اپنے رنگ کی ایک نرالی چیز ہے، سلونوں کا تیوہار اہل ہنود کا ایک بڑا مشہور تیوہار ہے۔

اس میں ہر شخص راکھی باندھتا اور شکر لیکر اپنی سسرال جاتا ہے۔ راکھی کا مذہبی اثر کچھ بھی ہو لیکن شاعرانہ نقطۂ نظر سے اس میں بڑی لطافت، وجاذبیت ہے، جنس لطیف اور اس جنس کے عنصر دوشیزہ میں خصوصاً راکھی ایک مستقل حسن پیدا کر دیتی ہے، جس کی ستم آرائیاں کوئی نظیر کے دل سے پوچھے، کسی کی موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی سے متاثر ہو کر کہتے ہیں:۔

ادا سے ہاتھ اُٹھتے ہیں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہونچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخ گل رخسار کی راکھی

ساری نظم عاشقانہ جذبات اور حسین تاثرات کا ایک ٹریکیٹ وسکر چمن ہے جس میں طرح طرح کے خوش رنگ پھول جابجا کھلے ہوئے ہیں، جو ہر اہل دل کو متوالا بنائے دیتے ہیں۔ راکھی اور راکھی باندھنے والیوں کی فسوں پاشیاں جب نظیر سے ضبط نہ ہوسکیں تو آخر بیتاب ہو کر کہہ بیٹھے

پھرے ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے تارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ اے جان چاؤ کے مارے

پہن زنّار اور قشقہ لگا ماتھے اُوپر بارے
نظیر آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بدھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

سخاوت و عشرت ایک ناصحانہ نظم ہے جس سے دراصل بخل کی ہجو کرنی منظور ہے، یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے سخاوت کے باب میں کسی قدر مبالغہ کرنا ضرور تھا لیکن نہ اتنا کہ سخاوت خود ایک عیب کی شکل اختیار کر لے۔ اس مقام پر زور طبیعت اور حمایت اخلاق حسنہ نے شاعر کے روانِ قلم کو جادۂ اعتدال سے ہٹا دیا ہے کہتے ہیں :-

زردار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو
تن زیب تن سکھوں سے ترسا نہ اپنے تن کو
جو زر چلن چلیں ہیں تو بھی چل اُس چلن کو
مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو
دل کی خوشی کی خاطر جیکھ ڈال مال و دھن کو
گر مر رہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

اس بند کا پہلا مصرع دیکھیے عاقلانہ نصیحت سے کس قدر لبریز ہے۔ دوسرے مصرع میں اسی کی تشریح اور طبیعت دبا رنے کا طریقہ بتایا ہے تیسرے میں ایک شریفانہ پندار کا اظہار ہے جو قطعی قابل پذیرائی ہے۔ پانچویں میں بھی ایک معتدل روش کی تلقین ہے لیکن چھٹے مصرع میں بڑی زیادتی پر کمر باندھی ہے۔ کوڑی کفن کو نہ رکھنے کی تاکیدانہ تلقین فی نفسہ نہایت مذموم ہے۔ یہ

دراصل ایک عامیانہ شیوہ ہے اور سنجیدہ طبائع کو اس قسم کے طرز زندگی سے گریز کرنی چاہئے۔ آخر کے دونوں مصرعوں کی لے بھی قلندرانہ ہے جس سے ان کی سنجیدگی میں بہت کچھ کمی ہوگئی ہے اور اس سے یہ بھی کسی قدر مترشح ہوتا ہے کہ یہ تلقین شریفانہ زندگی بسر کرنے والوں کے لئے نہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس نظم کا مطلب کوئی فضول خرچی یا روپیہ برباد کرنا سکھانا نہیں، بلکہ کار خیر میں صرف کرنے اور دل کھول کر صرف کرنے کی ہدایت نہایت مبالغہ آمیز لفظوں میں کی ہے اس لئے کہ بہ گرگش بگیرتا بہ تپ رضی شود اب دیکھئے یہ کتنا عالی اور عارفانہ خیال ہے :-

جو جو بخیل کوڑی زر چھوڑ کر مرے گا　　یا کھائے گا جنوا کی یا خالصہ لگے گا
تیرا وہی ہے جو کچھ راہ خدا میں دے گا　　کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہے گا
دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

قناعت، توکل، اور خدا پر بھروسہ کرنے کی تلقین اس سے بہتر الفاظ میں اور کیا ہو سکتی ہے اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس بند کا چوتھا مصرع اب ضرب المثل کا کام دیتا ہے :-

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہی دھن بھی دیگا　　مال و مکاں حویلی باغ و چمن بھی دیگا
جیتا رہے گا جب تک کھانا پکوان بھی دیگا　　مر جاویگا تو وہی تجھکو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

چاندنی رات ایک مصورانہ و عاشقانہ نظم ہے جس میں نظیر کا شاعرانہ کمال بلند ترین نقطۂ اوج پر نظر آتا ہے۔ چاندنی رات پر اردو اور دوسرے ادبیات میں اور بھی بہت سی نظمیں ہیں لیکن کوئی اس قدر کامیاب اور شگفتہ نہیں، جس سے چاندنی کا سماں من وعن آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اور طبیعت میں غیر معمولی تازگی اور بشاشی پیدا ہو سکتے ہیں :۔

صحنِ چمن میں واہ وا اور بچھی تھی چاندنی چاند ملور میں لیٹا تھا اور کھلی تھی چاندنی

نظیر کا ایک ادنیٰ کمال یہ ہے کہ بحر ایسی مناسب حال اور مترنم چھانٹ کر لاتے ہیں جس سے مضامین کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور نظم میں جان سی پڑ جاتی ہے۔ اگر الفاظ خیال کو سماں بندی میں مدد دیتے ہیں تو ترنم سماں میں ایک مزید فسوں پیدا کر دیتا ہے۔ یہ نظم ذرا لحن میں پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ چاندنی رات کا منظر پیش نظر ہے اور دھیمی دھیمی موسیقی سامعہ نواز کر رہی ہے۔ اس شعر میں چاند کا ملور میں لیٹنا بالکل اچھوتا خیال ہے اور اب تک کسی شاعر کو میسر نہیں ہوا۔ چاندنی کی غالباً یہی صفت ہے جو اس میں ایک خاص کیفیت و جاذبیت پیدا رکھتی ہے لیکن یہ کیفیت صرف محسوس کی جاتی تھی اب تک اس کے بیان کے لئے الفاظ میسر نہ تھے۔ نظیر نے الفاظ مہیا کر کے

فطرت کا ایک نازک و معصوم ترین حسن ارباب ذوق و نظر تک پہونچا دیا
اب یار کا حسنِ گلگوں اور اس کے لباسِ زرنگار کی محاکات دیکھئے :-

آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری

ذیل کا شعر دیکھئے کس قیامت کا ہے صبح کا منظر اس سے کمتر،
لطیف اور مترنم الفاظ میں اور کہیں نہ دیکھا ہوگا :-

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

صبح کا ہونا طرح طرح سے اور بہت طول طویل طریقوں سے دکھایا گیا ہے
لیکن صبح کے ساتھ گجر بجنا، پھول کھلنا، اور ہوا چلنا، جو صبح کے اجزا ء
لاینفک ہیں بہت کم دکھائے گئے ہیں - اِن چند باتوں کے مجموعہ نے
ایک عجب پُر لطف و سکون کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس حسن کا خیالی
نقشہ اگر کھینچا جائے تو بے پناہ ہوگا -

اب چاندنی رات میں صحبت عیش و طرب کا ایک اور منظر دیکھئے :-

چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب بوسوں کی سو لپک لپک

عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
ایسے مزہ میں عیش میں آہ کہیں سے ہک نہ دہک

صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی کی جی میں رہ گئی

اس بند کی جو ایک طلسم مسرت و طرب ہے کون کون خصوصیتیں اور کیا کیا لطائف بتائے جائیں اور خوبیاں تو درکنار صرف چھلک چھلک مہک، چھلک چھلک، لپک لپک، یک بیک، ہک نہ دہک، سے چاندنی کا سماں، باغ کی عطر پاشیاں، شراب کی بیت شگفتہ، بوسوں کی پر لطف لذتیں، عیش و طرب کا اضطراب، اور پھر سب سے آخر میں دل کی ایک اضطراری کیفیت کی مصوری میں جو کمال دکھایا ہے وہ نظیر کا حصہ تھا، یوں تو ساری نظم سماں بندی میں اپنی مثال و نظیر نہیں رکھتی لیکن اس بند میں صرف ایک لفظ کی تکرار سے اصل سماں اور ساری کیفیت بلا کم و کاست آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے نظم فی نفسہ بالکل بے تصنع ہے۔ زبان صاف اور شستہ ہے، مترکات کا استعمال بہت کم ہے لیکن جمع موصوف کے لیے فعل بھی صیغۂ جمع ہی میں لایا گیا ہے، جیسے :-

ہم بھی نشہ میں مست تھے ساقی کی پی کے پیالیاں

جل کے فلک نے اس میں ہائے آفتیں لا پہ ڈالیاں

اس قسم کی اور بھی اکثر مثالیں نظم میں موجود ہیں۔

ہولی ایک ہندوانہ اور مصورانہ نظم ہے اور شاعرانہ صناعی کی اختراع فائقہ ہے۔ ہولی میں علاوہ مذہبی خصائص کے ایک موسمی پہلو بھی ہے اس لئے نظیر کو یہ تہوار بہت مرغوب ہے اس کے علاوہ ہولی [illegible] شہرت اس قدر ہے کہ نظیر اس سے کسی طرح قطع نظر نہیں کر سکتے۔ نظیر کی پسندیدگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کلیات میں آٹھ نظمیں ہولی پر موجود ہیں۔ آئیے ہولی کی محفل کا سماں دیکھیے، دیکھئے مترنم سماں کے لئے کیسے مترنم الفاظ منتخب کئے ہیں:۔

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھنکے چھم چھم چھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھا یا ہولی نے

اور دیکھئے ہولی کی رنگ رلیوں کی مصوری کیسے لطیف پیرایہ میں کی ہے:۔

ہر جا گہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے

ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ جمایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور ہر دم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں، پچکاری کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھیری کھینچا تانی ہے
کہیں لیٹیاں جھمکیں رنگ بھری، کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوشش بڑھایا ہولی نے

ہولی کی یہ نظم فی الحقیقت کسی تبصرے کی محتاج نہیں، ہر بات اس قدر عریاں، پُر کیف اور موثر ہے جس کو خاص طور پر نمایاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جوگی نامہ اور جوگن نامہ دونوں ایک قسم کی نظمیں ہیں، اس لئے انہیں بظاہر عاشقانہ و بہ باطن عارفانہ نظمیں کہہ سکتے ہیں، دونوں میں قریب قریب ایک سے مضامین ہیں اور جذبات بھی نوعیت میں یکساں ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ ایک میں عاشق مرد ہے اور دوسری میں عورت، چونکہ جوگن نامہ کی ہیرو عورت ہے صرف اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں نزاکت اور رقت زیادہ ہے لیکن جہانتک خالص عاشقانہ جذبات کا تعلق ہے وہ

دونوں میں یکساں ہیں۔ اپنی معشوقہ کے فراق میں دیکھیے جوگی کہتا ہے:-

دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بیتاب سدا پھرتا ہوں

میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں

بے قراری سے ترے نام کی جپتا سمرن

اب دیکھیے اپنے دلدار کے ہجر میں جوگن دکھ کی ماری کہتی ہے:-

ہجر نے اب تو نہایت کیا بے دم تجھ کو
پھرتی ہوں شکل بگولے کی میں ویراں ہر سو

اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو
کون سے شہر میں ہے کون سی جا پر ہے تو

اے مرے ہمدم جاں اے مرے جان و تن من

دونوں بندوں کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوگی کے جذبات میں درد کے ساتھ کسی قدر کرختگی ہے لیکن جوگن کے جذبات میں درد کے ساتھ ایک قسم کی ملاحت ہے یہ بالیقین اس کی نسائیت نے پیدا کی ہے۔ جوگی کے خیالات سے بیقراری و اضطراب کا اظہار ہے جسے وہ کسی طرح ضبط نہیں کر سکتا، جوگن کی باتوں سے ہر چند غیر معمولی کرب و اضطراب

ٹپک رہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مترشح ہے کہ انتہا درجہ کے ضبط کو کام میں لا رہی ہے اور عاشقانہ خود داری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ جوگن کی اس کیفیت خصوصی نے اس کے درد میں ایک علو اور اس کے عاشقانہ پندار میں ایک وقار پیدا کر دیا ہے جو جوگی کی عریاں بیتابی پر بہت زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔

اِن دونوں نظموں کو دیکھ کر لا محالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نظیر پورے آرٹسٹ تھے۔ صرف جوگی نامہ لکھ کر ان کی سیری نہ ہوئی بلکہ لکھنے کے بعد وہ محسوس کرنے لگے کہ جوگن نامہ کے بغیر محاکاتِ عشق ادا نہیں ہو سکتے نہ آرٹ کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ مجتہدین سخن ہی ایسا مکمل ذوق لیکر آتے ہیں اور ان ہی کا مجدّدانہ ذہن اپنے ذوقِ لطیف کی پوری پوری داد دے سکتا ہے لیکن اس ذوق کے لوگ آج فی زمانہ ناپید ہیں جوگی جوگن نامہ میں انگلستان کے مشہور شاعر مصور دردشیلی کی معروف نظم ایلسٹورس کے سے مضامین ہیں، بلکہ ان نظموں کو اردو میں ایلسٹورس کا یا ایلسٹورس کو انگریزی میں جوگی جوگن نامہ کا مرادف کہا جائے تو بجا ہوگا، اِن دونوں کو ساتھ پڑھنے میں عجیب لطف آتا ہے۔ اسی ضمن میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نظمیں طول ہو جانے کی وجہ سے کسی قدر بدمزہ ہو گئی ہیں اور تفصیلات کی کثرت نے بھی لطافت میں کمی کر دی ہے۔ کہیں تصنع بھی پیدا ہو گیا ہے جس نے نظم کے حسن کا ازالہ کر دیا ہے زبان بہت صاف ہے لیکن ہندو

مذہب کی اصطلاحوں اور مترو کات کے استعمال سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا مگر اس حالت میں بھی نظم کا مجموعی اثر ایک خاص انداز رکھتا ہے جو کسی نوع دلچسپی اور جدت سے خالی نہیں۔

موتی ایک وصّافانہ نظم ہے جس میں موتی کی طرح طرح سے تعریف و توصیف کی ہے۔ موتی کی اس قدر ثنا و صفت کرنا اور ہر زیور میں موتی ہی کے حسن پر نظر ڈالنا اور صرف اسی کی داد دینا بے معنی نہیں شہباز اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ موتی نظیر کی معشوقہ کا نام تھا اور یہ نظم اسی کی تعریف میں لکھی گئی ہے، اب تو ہم بھی نظیر کے موتی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ نظیر کی "موتی" ضرور گوہر یکدانہ ہوگی، اُن کا انتخاب ہی اُن کے ذوق کی پوری پوری داد ہے، موتی میں نظیر دیکھئے کیا کیا ادائیں دیکھتے ہیں۔ ہاں صاحب کیوں نہ ہو اپنی چیز ہے۔

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے

ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سُمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے

تو صدقے اس کے ہوتے ہیں بڑے سے ہر پرو پر موتی
غلط ہے اس لبِ رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت

کہ جن کی ہے عقیق اور پنّے اور یاقوت کو حسرت
اُداہٹ کچھ مسی کی اور کچھ اس پر پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجاں ادھر موتی

دوسرے بند کا چوتھا مصرع الہامی ہے قطعی اس دنیا کی چیز نہیں معلوم ہوتا۔
خمسہ بر غزل حافظ، حافظ کی ایک غزل کی تضمین ہے اول تو یہ تضمین ہی ایک خاص لطف کی چیز ہے لیکن اس کو اس لئے بھی پیش کیا ہے کہ نظیر کے کلام سے ہر قسم کے نمونے قارئین کی نظر سے گزر جائیں، اب اس بند کی معنویت پر غور کیجیے :۔

گر تجھے عشق حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق
تو تو سیکھ ان کے یاں اہل طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
آشنایان رہ عشق دریں بحر عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بہ آب آلودہ

اکبر آباد ایک وصّافانہ نظم ہے جس میں نظیر نے اپنے شہر کی خصوصیات بیان کر کے وطن کا حق ادا کیا ہے۔ کہتے ہیں :۔

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں

دیکھی ہیں آگرہ میں بہت ہم نے خوبیاں
ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اسکو تو آباد جاوداں

پہلے مصرع میں نظیر اکبرآباد کو شہر سخن فرمائے ہیں، معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں یہاں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا۔ کیوں نہ نظیر کا زمانہ تھا، حیف صد حیف اب یہاں ذوق کی جنس کس قدر کم یاب ہے۔ اب ذرا اس بند کی شعری لطافتیں ملاحظہ کیجیے، مصرع کس قدر بے ساختہ، زبان کس قدر پاکیزہ اور تشبیہیں کس قدر مکمل ہیں:۔

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری — شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری — لیلیٰ کی جلد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

اکبرآباد کی آب و ہوا نہایت مشہور رہی ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں پہلے کبھی کوئی وبائی بیماری نہیں ہوتی تھی اسی خصوصیت پر نظیر ناز کرتے ہیں۔

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے
دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ادھر کو قہقہے ہیں تو اودھر کو چہچہے
اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے

سبزوں کو حسن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

نظیر نے اپنے شہر میں جو جو خوبیاں دیکھیں وہ آپ کے سامنے، دیکھئے کس خوبی سے بیان کی ہیں، اس نظم کی صفائی زبان، اور لطائف شعری کی تعریف نہیں ہو سکتی، سادگی و شیرینی میں ادب القدا کی ہم پلہ ہے یہ نظم شروع بھی نظیر نے دعا کے ساتھ کی تھی اور آخر میں دعا ہی پر ختم بھی کرتے ہیں:۔

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام	ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدہام
ہر طور خوش ہے دل اور طبع شاد کام	میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام

ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

تبصرہ میں آپ نے دیکھا کہ نظیر نے ہر قسم کی نظمیں لکھی ہیں اور ہر عنواں کی پوری پوری داد دی ہے لیکن ہمیں اسکا بڑا تعجب ہے کہ نظیر ایسے معاشرت نگار شاعر نے تعشق ازدواجی پر کچھ نہیں لکھا، یہ ایک ایسا موضوع تھا جو نظیر سے مستقل نظم کا طالب تھا افسوس کہ یہ عنوان اُن کی نظر سے بچ رہا کاش اگر لکھتے تو خوب نظم ہوتی ۔

نظموں پر تبصرہ ختم کرنے کے بعد اب ہم اتنا اور بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے تبصرہ میں، زبان، عروض، محاورات اور اس قبیل کی اور بہت سی باتوں پر تفصیلی توجہ نہیں کی مقدمہ میں مجملاً اُن کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ ارباب

مطالعہ انہیں جہاں جہاں دیکھیں خود سمجھ لیں، کثرت تفصیل بعض اوقات اہل مطالعہ کی بصیرتِ جدت کا خون کر دیتی ہے کیونکہ جب وہ معمولی معمولی باتوں میں مؤلف کی مدد کے عادی ہو جاتے ہیں تو ان کی قوت دماغی معطل ہو جاتی ہے اور پھر وہ ہر ذرا ذرا سی بات کے لئے بھی مولف کے منتظر رہنے لگتے ہیں اور اپنے ذہن پر ذرا زور ڈالنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کثرت تفصیل سے بجائے فائدہ کے بہت کچھ نقصان ہو جاتا ہے پس بہت سی باتوں کو ہم نے صرف حوالہ دیکر پڑھنے والے کے ذہن کی رسائی کے لئے چھوڑ دیا ہے تاکہ مبتدیوں کے ذوق کی ورزش ہو اور انہیں ادبیات میں کچھ بصیرت پیدا ہو جائے۔

یہاں ایک بات قابل اطلاع اور رہے وہ یہ کہ جہاں جہاں ہم نے موقع دیکھا اور مناسب بھی سمجھا وہاں نظموں میں کسی قدر اختصار کر دیا ہے۔ زیادہ تر نظمیں تو پوری ہیں، لیکن جو بہت طویل تھیں یا جن میں بعض مقامات غیر سنجیدہ تھے، اُن میں سے وہ حصے نکال دیئے گئے ہیں۔

اب ہم ذیل میں دو قطعات تاریخ پہلا نظیر کے صاحبزادے خلیفہ **گلزار علی اسیر** کا اور دوسرا حکیم **قطب الدین خاں باطن** ان کے شاگرد رشید کا جن سے یہاں نظیر کا سن وفات

نکلتا ہے ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

چہ خوش در رحلتش آورد فکرِ طبع تاریخے
نظیرِ اکبرآبادی چوں زیں دنیائے ابتر شد
نظامِ نظم باہم درہم و برہم شدہ تکبیر
مخمس بے سروپا، بیت بیدل فرد بے سر شد

۴۶ ۱۲ ھ

دوسرا ملاحظہ ہو:۔

ہزار حیف زباطن گذشت اوستادم
کہ بے نظیرِ جہاں و نظیرِ علم آموز
دوازدہ چہل و شش بود چوں سنہ ہجری
گذاشت نظم جہاں و جہاں الم آموز
سن وصال طبیعت بانتظام آورد
سرِ غزل و رباعی و مطلع دلسوز

۱۲۴۶ ھ

آخر میں ہم پھر بصد عجز یہی گزارش کرتے ہیں کہ تبصرہ نگاری میں
ہم سے جو لغزشیں ہوئی ہیں اور کوتاہیاں باقی رہ گئی ہیں آپ انہیں ازراہ
ذرہ نوازی معاف کریں اور اگر اس میں کوئی خوبی نظر آئے تو اسے میاں
نظیر اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف خیال فرمائیں۔



کلامِ زائر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہنا (۱)

نے خاص نہ دنیا میں کوئی عام رہیگا   تے نہ صاحب مقدور نہ ناکام رہیگا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہیگا   شادی نہ غم گردش ایام رہیگا
نے عیش نہ دکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ چرخ جو کھاتا ہے پڑا گنبد ازرق   یہ چاند یہ سورج یہ ستارے نہیں مطلق
لوح و قلم و عرش بریں ثابت و مطلق   سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جائیگا ہو حق
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہیگا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

لے عالم ارواح سے تا عالم جنات   انسان و پری حور و ملک جن و خبیثات

کیا ابر و ہوا کوہ و جنگل ارض و سماوات — اِک پھونک میں اُڑ جاوینگے جوں نقش طلسمات

ہُشیار نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور — یا کشف و کرامات میں ہے صاحب مقدور
یا ایک سکا ہے نام و نشان خلق میں مشہور — اک دم میں پلک مارتے ہو جاوینگے سب دور

مستور نہ مشہور نہ گمنام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختار ہی کے غسرہ سے جو کرتے ہیں سدا کام — یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کبھی دام
جب آکے فنا دالے گی اک گردش ایام — اِک آن میں اُٹھ جائیگا سب جبر کا الزام

مختار نہ مجبور نہ خود کام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیار — سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں طیار
جب کے فنا سر کے اوپر مارے ہے پیکار — اک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار

نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات و عبادات — یا عمر کو کھوتے ہیں برندی و خرابات
جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات — پھر صاف ہے دونوں کی گنہگاری و طاعات

نے رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں   جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن   عاشق تو قلندر ہیں نہ ہندو نہ مسلمان
کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی ان سے یہ پوچھو   دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو   اس دولت و اقبال پہ مت پھولو امیرو
نے ملک نہ دولت نہ سرانجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار   آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہئے کر لیجئے بیوپار   پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات   یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکان کیا یہ ہوا دار مکانات   اک اینٹ بھی ڈھونڈے کہیں آنے کی نہیں ہات
دالان نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہرا کجا ہیں ہرے پھول
یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات پہ پھل پھول
آجاوے گی جب بادِ خزاں انکے اوپر بھول
ہر خار کی ہر پھول کی اڑ جاوے گی سب بو ہول

نے زرد نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

میخوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے ملاقی
ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب و ثاقی
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی
فرصت ہے غنیمت کوئی دم کو ارے ساقی

نے مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں ہم چاہ
آ گئے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
وہ لوگ کہاں جاتے رہے اے میرے اللہ
اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ

نے عشق نہ عاشق نہ دلآرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں مجنوں و فرہاد
لیلیٰ کہاں شیریں کہاں وہ ناز و بیداد
جو پھول کھلے واہ وہ سب ہو گئے برباد
ہم تم بھی غنیمت ہیں سخن او یار پریزاد

واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

محبوب بنا جسنے تمہیں حسن دیا ہے — اُس نے ہی ہمیں عاشق جانباز کیا ہے
ملنا ہے تو مل لو یہی جینے کا مزا ہے — سب ناز و نیاز آہ دیا اک دم کی ہوا ہے
پھر جب نہ کچھ وصل کا پیغام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی — آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی — کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

(۲) برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں — جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں — گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نالے ہیں موج ڈابر دریا اُمنڈ رہے ہیں　　مور و پپیہے کوئل کیا کیا رُنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں　　برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پہ ہریالی سج رہے ہیں　　گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں　　اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں　　جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجاویں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا منہ بلاویں　　پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گاویں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے　　قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیارے بچھونے　　بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی　　اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی　　یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یارب سامان تیری قدرت　　بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت

سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت　　تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا　　اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو جڑنے کا جو صبح شام ہے گا　　یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن بن　　سو ہیں گلابی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کے گھر ہے کھانا سونا لگے ہے آنگن　　کونے میں پڑ رہی ہے سر منہ لپیٹ ناگن
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کو کو　　پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو　　سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں ادھر کے کر شور ناچتے ہیں　　پیارے کا نام لیکر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گھر گھر گھنگھور ناچتے ہیں　　مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری　　جو غم میں ہیں انہوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیا کی پیاری　　چھاتی پھٹے ہے انکی جو ہیں برہ کی ماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں ان کے جوڑے جھمک رہے ہیں　　جھولوں میں جھولتی ہیں گہنے جھمک رہے ہیں
جو دکھ میں ہیں سو ان کے سینے پھڑک رہے ہیں　　آہیں نکل رہی ہیں آنسو ٹپک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری　　ہر بوند مارتی ہے سینہ اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری　　ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سدھ ہماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی انکو آواز ہے سناتی　　سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے امڈی آتی
پی پی کی دھن کو سنکر بیکل ہیں کہتی جاتی　　مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جنکی سیج سونی اور خالی چارپائی　　رو رو انہوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی　　اب کے بھی چھاونی جا پردیس میں ہے چھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنے غم سے اب ہے یہ گت بنائی　　میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی　　پھوٹا پڑا ہے چولہا ٹوٹی پڑی کڑاھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کرکے پھیرا　　مارو جی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کوئی کسی کو ہے درد و غم نے گھیرا　　منہ زرد بال بکھرے اور آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے　　پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے　　سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ غریب کنگلے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا　　یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا　　مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنیکا کسی جا غل شور ہو رہا ہے　　دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
ڈر ڈر حویلی والا ہر آن رو رہا ہے　　مفلس تو جھونپڑے میں دلشاد سو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جنکا مکاں پرانا　　اٹھ کے ہے انکو مینہ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا　　کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دوانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا　　گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا　　باقی تھا اک اسارا سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بہوٹی ٹیلوں اوپر دھتورے　　پسو سے مچھروں سے روئے کوئی بسورے

بچھو کسی کو کاٹے کیڑا کسی کو گھورے آنگن میں کنسلائی کونوں میں کنکھجورے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سبز جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی گلنار یا گلابی یا زرد سبز دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہیں جھولے کی ڈور چھوڑے یا ساتھنوں میں اپنی پاؤں سے پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر ہو مست چھک رہے ہیں مے کی گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر گھنگرو چھنک رہے ہیں پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ طبلے کھڑک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جنکے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھریں ہیں لوئی
اور جنکی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی ہے ان کے سر پہ سرکی یا بورئے کی کھوئی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ ٹٹو　　جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے اپنی لٹو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں کتنوں کے گھوڑے ٹٹو　　جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں　　ہے انکے سر پہ چھتری ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں　　ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا　　انکو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اڑانا
ہے جنکو اپنے گھر میں یاں نون تیل لانا　　ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہی پرانا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اس رت میں ہیں جہاں تک گلزار بھیگتے ہیں　　شہر و دیار و کوچہ بازار بھیگتے ہیں
صحرا و جھاڑ بوٹے کہسار بھیگتے ہیں　　عاشق نہا رہے ہیں دلدار بھیگتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی　　مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی　　جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں　　کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر کر کتنے اکس رہے ہیں　　وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا اچھی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطّر — پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں منہ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اسمیں آن اکثر — ہوتے ہیں سینکڑوں کے سر نیچے پاؤں اوپر

کیا کیا اچھی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رت وہ ہے کہ جس میں خرد و کبیر خوش ہیں — ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرّم عاشق اسیر خوش ہیں — جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیر خوش ہیں

کیا کیا اچھی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(۳) بنجارہ نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آویگا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاویگی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پاویگی

یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاویگی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے روپے کے کیا مٹی کی ہنڈیا چینی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ دھوم دھڑکا ساتھ لیے کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل
اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا موجود ہو جسدم آن اجل
گھر بار اٹاری چوپاری، کیا خاصہ نین سکھ اور ململ
کیا چلمن پردے فرش نئے کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی ہر آن بنے گی جان اوپر
نوبت نقارے بان نشان، دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکاں کیا چوکی کرسی تخت چھتر

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کیوں جی پر بوجھ اُٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت لٹیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پٹہ توڑ کے بھاگیں گے منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بقچے تاش تمامی کے کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کیا سخت مکان بنواتا ہے کھم تیرے تن کا ہے پولا
تو اونچے کوٹ اُٹھاتا ہے واں گور گڑھے نے منہ کھولا
کیا رینی خندق رند بڑے کیا برج کنگورا انمولا
گڑھ کوٹ رہکلہ توپ قلعہ کیا شیشہ دارو اور گولا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن

ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باڑی پھول چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی تاج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیرؔ اک بھنگا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

(۴) عاشق نامہ

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان	ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
بیرنگ میں با رنگ میں نیرنگ میں پہچان	منزل میں مقامات میں فرسنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان	ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم و ارادہ میں ہر آہنگ میں پہچان	ہر دھوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل — نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل
آزاد کوئی سب سے کسی کا ہے کہیں میل — ملتا ہے کوئی راکھ چنبیلی کا کوئی تیل
کرتا ہے کوئی ظلم کو لیتا ہے کوئی جھیل — باندھے ہے کہیں تلوار اٹھاتا ہے کوئی سیل
ادنیٰ کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی ڈنڈ پیل — جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب کھیل

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال — پھانکے ہے کوئی خاک لٹاتا ہے کوئی مال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے برا حال — روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
ناچے ہے کوئی شوخ بجاتا ہے کوئی تال — پہنے ہے کوئی چیتھڑے اوڑھے ہے کوئی شال
کرتا ہے کوئی ناز دکھاتا ہے کوئی بال — جب غور سے دیکھا تو اسی کی ہے یہ سب چال

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار — کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار
پہنچا ہے کوئی پار بھٹکتا ہے کوئی وار — بیٹھا ہے کوئی عیش میں پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بیکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار — مفلس کوئی ناچار تونگر کوئی زردار

زخمی کوئی ماندہ کوئی اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی ولی دوست کوئی جان کا دشمن — بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
مالا کوئی جپتا ہے کوئی شوق میں سمرن — چھوڑے ہے کوئی مال سمیٹے ہے کوئی دھن
نکلے ہے جواہر کی کوئی پہن کے ابرن — لوٹے ہے کوئی خاک میں رو رو کے بلاتن
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب فن

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی کہیں گرمی کہیں جاڑا کہیں برسات — دوزخ کہیں بیکنٹھ کہیں ارض و سماوات
حوریں کہیں غلماں کہیں پریاں کہیں جنات — اوجڑ کہیں بستی کہیں جنگل کہیں دیوات
سختی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنات — شادی کہیں ماتم کہیں نور اور کہیں ظلمات
تارے کہیں سورج کہیں برج اور کہیں ذرات — جب غور سے دیکھا تو سب اُسی کے ہیں طلسمات

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیچے ہے جواہر کوئی زر سیم طلا رانگ — بارے کوئی پارے کو بناوے کوئی مرگانگ
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے لیتا ہے کوئی مانگ — محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ

ٹھیرا ہے کوئی چور لگاتا ہے کوئی تھانگ ملتا ہے کوئی پوست کو چھانے ہے کوئی بھانگ
گھنٹا ہے کہیں جھانجھ کہیں سنکھ کہیں بانگ جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں یہ سب سوانگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی باری کوئی خاکی کوئی آبی صوفی کوئی زاہد کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی پیتا ہے کوئی کیف کوئی مے کی گلابی
مارے ہے زٹل کوئی کہیں جیب بے دابی سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
کالا کوئی کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی ہیں اسکی ہی قدرت کے یہ سب لعل گلابی

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا رنگ یہ رنگوایا ہے اللہ ہی اللہ کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایہ ہے اللہ ہی اللہ کیا حرص ہے کیا مایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھیرایا ہے اللہ ہی اللہ کیا بھید نظیر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(۵) آدمی نامہ

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کئے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قراں اور نمازیاں
اور آدمی ہی اُنکی چُراتے ہیں جوتیاں

جوان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں، دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دوکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لے
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور
اور آدمی ہی دیکھ انہیں بھاگتے ہیں دور

چپاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور　　یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے مجیرے دائرے سارنگیاں بجا　　گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی بجاتے ہیں گت لگا　　وہ آدمی ہی ناچتے ہیں اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہیں بے بہا　　اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا　　گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اِک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں　　روپے کے اُنکے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں　　کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جنکے بچھے ہیں نئے پلنگ　　پھولوں کی سیج اپنے جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوق شوخ و شنگ　　سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار　　نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار　　سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینہ سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۶) ہنس نامہ

دنیا کی جو الفت کا ہوا مجھکو سہارا
اور اس نے خوشی کو مری خاطر میں اتارا
دیکھی جو یہ غفلت تو مرا دل یہ پکارا
آیا تھا کسی شہر سے اک ہنس بچارا
ایک پیڑ پہ جنگل کے ہوا اس کا گذارا

چنڈول اگن ابلقے جھپان بئے ڈہیر
مینا و بئے کلکلے بگلے بھی سمنبر
طوطے بھی کئی طور کے پتیاں کوئی لہبر
رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر
اس نے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

بلبل نے کیا اسکی محبت میں خوش آہنگ
اور کوکلے کویل نے بھی الفت کو لیا سنگ
کونجن میں کلنگوں میں بھی چاہت کے بجے چنگ
دیکھا جو طیوروں نے سے حسن ابرش نگ
وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا

سیمرغ بھی سو دل سے ہوئے ملنے کے مشتاق
گدڑ پنکھ بھی پنچھوں کی ہوئے جھانے کے لائق

سارس بھی جو اصل بھی ہوئے اسکے موافق　　باز و لگڑ و جرّہ و شاہیں ہوئے عاشق
شکروں نے بھی شکر سے کیا اس کا مدارا

کچھ سبز ک و بٹر نکلے و کچھ ٹنٹن و تیرے　　پنڈخی سے لگا ٹوٹرو قمری و ہریوے
غوغائی بگیری و لٹورے و پپیہے　　کچھ لال چڑے پودنے پدّے ہی نہ خوش تھے
پدڑی بھی سمجھتی تھی اسے آنکھ کا تارا

چاہت کے گرفتار بٹیریں لوے تیتر　　کبکوں کے تدروں کے بھی چاہت میں بندھے پر
ہُدہُد بھی ہوئے ہٹ کے پڑھیا ادھر اودھر　　زاغ و زغن و طوطی و طاؤس کبوتر
سب کرنے لگے اسکی محبت کا اشارا

شکل اسکی وہی جی میں کبھی شام چڑی کے　　وہی چاہ جتا پھر اسی جا پونے بھی جھپّے
ہریل بھی ہوئے اسکی ہری جا ہنے والے　　جتنے غرض اُس پیڑ پہ رہتے تھے پرندے
اس ہنس پہ اُن سب نے دل و جان کو وارا

خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہر دم اُسے دیکھیں　　اور اسکی محبت سے ذرا منہ کو نہ پھیریں
دن رات اسے خوش رکھیں سکھ اسے دیویں　　صحبت جو ہوئی ہنس کی اُن جانوروں میں
یک چند رہا خوب محبت کا گزارا

سب ہو کے خوش اسکی مئے الفت لگے پینے　　اور بیت ہر ایک نے واں بھر لیے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے　　اس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے
اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا

یاں لطف و کرم تم نے کئے ہم پہ ہیں جو جو — تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہو وے تو بخشو — لو یارو اب ہم جاوینگے کل اپنے وطن کو
اب تمکو مبارک رہے یہ پیڑ تمہارا

اب تک تو بہت ہم رہے فرحت سے ہم آغوش — اب یاد وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش
جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش — اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اڑے ہوش
سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمہارے ہمیں کب چین پڑینگے — اک آن نہ دیکھینگے تو دل غم سے بھرینگے
گر تم نے یہ ٹھیرائی تو کیا سکھ سے رہینگے — ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمہارے ہی چلینگے
یہ درد تو اب ہم سے بچاوے گا سہارا

پھر ہنس نے یہ بات کہی ان سے کئی بار — کچھ بس نہیں اب چلنے کی ساعت سے ہے ناچار
آنکھیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کی گہربار — اس میں جو شب کٹ گئی ہوئی صبح نمودار
پر اپنا ہوا پر وہیں اس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اس پیڑ سے واں اُٹھا ناگاہ — مُنہ پھیر کے ادھر سے وطن کی جو ہیں لی راہ
دیکھا جو اسے جاتے ہوئے واں سبھی کر آہ — سب ساتھ چلے اسکے وہ ہمراز و ہوا خواہ
ہر ایک نے اڑنے کے لئے پنکھ پسارا

اور ہنس کی واں سب کو رفاقت ہوئی غالب — جب واں سے چلا وہ تو ہوئی بیکسی غالب
کلفت تھی جو فرقت کی وہ سب پر ہوئی غالب — دو کوس اڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب

پھر پیر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا

پر اُن سے کہے ہوئے تر جو ہیں دوری کی پڑی پاس — روئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ قدمبوس
تھک تھک کے لگے گرنے تو کرنے لگے افسوس — کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اڑا کوس
کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں ہارا

کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کام — اور راستے اڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ اظہار
جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار — کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار
کوئی اور اڑا آگے جو تھا سب میں کرارا

تھی اسکی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے — سمجھے تھے بہت جلد میں وہ الفت کی بڑی طے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رے — چیلیں رہیں کوتے گرے اور یار بھی تھک کے
اس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارا

دنیا کی جو الفت سے تو اسکی ہے یہ کچھ راہ — جب مشکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو نباہ
ناچاری ہو جس جا میں تو واں کیجئے کیا چاہ — سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں نفس اکیلا ہی سدھارا

(۷) روضۂ تاج گنج

یارو یہ تاج گنج جو یہاں آشکار ہے — مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے

روضہ جو اس مکاں میں دریا کنار ہے   خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں بنے   پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے تمام شاں   ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند   گرد اس کے گنبدیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سربلند   ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو اس پاس   وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تلک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس   آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں   گرد ان کے جالی اور محجر ہے درخشاں
سنگین گل جو ان میں بنائے ہیں خوش نشاں   پتے کلی سہاگ گل و رنگ سے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار   آئینے بھی لگے ہیں مجلی و تابدار
دروازے پہ ہر لکھا ہے خط طغرا طرفہ کار   ہر گوشہ پہ کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں اک برج بسی کہتے ہیں جسے　　آتے نظر ہیں اس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے　　پھر اور بھی مکان ہیں ادھر اور ادھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو حسن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا　　آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا　　ہلتی ہیں ڈالیاں بھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن　　کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن　　گلنار لالہ و گل و نسرین و نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاجدار شاہجہاں صاحب سریر　　بنوایا ہے انہوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دلپذیر　　تعریف اس مکان کی میں کیا کروں نظیرؔ
اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

(۸) تندرستی نامہ

ہیں مرد واسطے یہی کہ جنہوں کا ہے تن درست　　حرمت انہوں کی واسطے جن کا چلن درست

رہتا نہیں کسی کا سدا مال دھن درست دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں بانوں کہتے ہیں کہئے بادشاہ جن کے بدن درست ہیں وہ اقبال و ماہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و حشمت پناہی ہے بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے سچ پوچھیئے تو عین یہ فضل الٰہی ہے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اسکا بھرا ہے تمام گھر بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست گرچہ مفلس ہے بسر پھرتے کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں
ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب نان
قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں پھر تو ہاں
پھر ایسی اور کونسی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پرواہ نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو
محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال علم و ہنر گو ملا نہ ہو
اک تندرستی چاہئے کچھ ہووے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ
تو اسکو جانئے یہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اُسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ
اب جس کا تن درست ہو حرمت سے ہو نباہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے
اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے
جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں ــ پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں
کھانے کو نعمتیں ہوں ہر اک ہوں فاقہ مستیاں ــ سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

چاہا جو دل نشہ کو تو ڈوہیں منگا لیا ــ محبوب دلبروں کو گلے سے لگا لیا
آیا جو عیش دل میں خوشی سے اڑا لیا ــ جو مل گیا سو پی لیا چاہا سو کھا لیا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے ــ بازار چوک سیر تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے ــ جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل ــ جب تک یہ کل بنی ہے جبھی تک چلے ہے کل
گر ہو خدانخواستہ ایک کل ہی جا بے جا ــ پھر نے خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنیٰ ہو یا غریب تونگر ہو یا فقیر ۔۔۔ یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر ۔۔۔ جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیرا

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

(۹) ذکرِ مرغاں

وقت سحر کی رو جیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں کر کر ذکر رکن فیکوں کرتی ہیں
مرغے بولے ککڑوں کوں اور مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں
سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں
پنکھ ہوا گر پنکھ اسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں
عنقا اور سیمرغ اسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں
سارس گدھ حواصل اترے بگلے پنکھ کلپتے ہیں
پنکھ پکھیرو جتنے ہیں سب نام اسی کا جپتے ہیں

ساںجھ سویرے چڑیاں ملکر چوںچوں چوںچوں کرتی ہیں
چوںچوں چوںچوں چوںچوں کیا سب ہیچوں ہیچوں کرتی ہیں
قمری بولے حق سرّہٗ بلبل بولے بسم اللہ
کبک تیتری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ
دادر مور پپیہے کویل کوک رہی اللہ اللہ
فاختہ کوکو تیسو ہو ہو طوطے بولیں حق اللہ
ساںجھ سویرے چڑیاں ملکر چوںچوں چوںچوں کرتی ہیں
چوںچوں چوںچوں چوںچوں کیا سب ہیچوں ہیچوں کرتی ہیں
بوم چیند اور سبزک ابابیل اور چکوریں شام چڑی
کھنجن جھپاں لوے کلنگ اور غوغائی کی دھوم پڑی
تتلی ٹڈی ڈانس جھینجھیری کستری بھونری اور بڑی
مکھی مچھر پسو بھنگے بول رہے سب گھڑی گھڑی
ساںجھ سویرے چڑیاں ملکر چوںچوں چوںچوں کرتی ہیں
چوںچوں چوںچوں چوںچوں کیا سب ہیچوں ہیچوں کرتی ہیں
تن تن اور لم ڈھینک ممولا حق حق تار پروتے ہیں
اگن سبے چنڈول ابلقے یاد میں اسکی روتے ہیں
طائر تو سب تخم محبت اس کا دل میں بوتے ہیں

پنچھی اس کی یاد کریں ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں
سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے یا حیّ توانا کوئی کہے یا رب قدیر
پنکھی تو سب یاد کریں اور ہم غفلت میں ہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ نظیرؔ
سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

(۱۰) فنا مہ

گر شاہ سر پہ رکھکر افسر ہوا تو پھر کیا — اور بحر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مراتب پُر زر ہوا تو پھر کیا — نوبت نشان نقارہ در پہ ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہان کا سرور ہوا تو پھر کیا

یار کھ کے فوج لشکر کی سا دلنت بناہی — پھیری دہائی اپنی لے ماہ تا بماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی — پھر سرہانہ لشکر نے تاج بادشاہی

دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا ذات میں کہائے نامی اصیل اتی   جمشید فر کے پوتے نوشیرواں کے ناتی
تھے آپ مثل دولہا اور فوج تھی براتی   جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتی

ملک و مکاں خزانہ لشکر ہوا تو پھر کیا

یا راج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا   چتوڑ گڈھ ستارا کالنجر آ بسایا
جب توپ نے اجل کی آ مورچہ لگایا   سب اڑ گئے ہوا پہ کوئی نہ کام آیا

گڈھ کوٹ توپ گولہ لشکر ہوا تو پھر کیا

کتنے دنوں یہ غل تھا نواب ہیں یہ خاں ہیں   یہ ابن پنجہزاری یہ عالی خانداں ہیں
جاگیر و مال منصب سب آج انکے ہاں ہیں   دیکھا تو اک گھڑی میں نے نام نے نشاں ہیں

دو دن کا شور چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی دیکھو یہ ہیں امیر خاں جی   اور یہ ہیں خانخاناں اور یہ شیر خاں جی
پنجہ اٹھا قضا کا جب آئے شیر خاں جی   پھر کسکے میر خاں جی کسکے وزیر خاں جی

عمدہ غنی تونگر یا زر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا   یہ پالکی یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا   خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا

جہاں میں بیگ ڈنمبر در یہ ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ ڈیوڑھی ہے خاں مہرباں کی   یہ باغ یہ حویلی ہے مخلد خاں کی

جب راج نے قضا کے کرنی بسولی ٹھانکی　　اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی

رنگیں محل سنہرا گھر در ہوا تو پھر کیا

کتنوں نے بادشاہی کیا کیا خطاب پایا　　مہریں پڑی کھدائیں سکہ بڑا بنایا

جب آن کر فنا نے نام و نشاں مٹایا　　وہ نام اور وہ سکہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا

وہ دن کا مہر چھایا در پہ ہوا تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا　　کر بند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا

یہ سکہ سند اجل کا جب فوجدار آیا　　اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا

ہانسی حصار ٹھٹھا بھکر ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی یہ لشکر ہے طرہ باز خاں کا　　یہ خیمہ شامیانہ ہے شہنواز خاں کا

آیا کٹک اجل کے جب یکہ تاز خاں کا　　سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں کا

سردار میر بخشی بڑھ کر ہوا تو پھر کیا

ہاتی پہ چڑھ کے نکلے یا خاصہ گھوڑے اوپر　　یا نالکی سنبھالی یا پالکی کی جھالر

یا لے صراحی حقہ دوڑے جلیب اندر　　جب آ اجل پکاری صاحب رہا نہ نوکر

آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے اک قلمداں اور رکھ قلم کو سر پر　　جوڑے حساب لاکھوں پھر پھر لکھے سراسر

جب عمر کی کچہری جا لگی قضا نے آکر　　پھر آپ نے قلمداں کا عذر رہا نہ دفتر

منشی وکیل دیواں مر مر ہوا تو پھر کیا

یا لے قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی محضر قبالہ لکھے قضیے چکائے شرعی
اعلام لے قضا کا جب آ قضا پکاری پھر محکمہ نہ جھگڑا قاضی رہا نہ مفتی
کوزہ کشیدہ درہ دربر ہوا تو پھر کیا

کتوال بن کے بیٹھا یا صدر ہو مقرر فاسق ڈر سے ہزاروں اور چور کانپے تھر تھر
آیا قضا کا مردہا جس دم چھڑی اٹھا کر کتوالی اور صدارت سب ہو گئی برابر
دو دن کا خوف خطرہ در در ہوا تو پھر کیا

کہتے تھے کتنے ہم تو ہیں ذات میں کلاں جی ہم شیخ ہم مغل ہیں یا ہم ہیں پٹھاں ہاں جی
جس دم قضا پکاری اب اٹھ چلو میاں جی پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی
ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

یا لے کے زر جہاں میں کرنے لگے تجارت یا سیٹھ بن کے بیٹھے خاصی بنا عمارت
کھولیں قضا نے نہیاں جب کر کے اک اشارت سب کوٹھی اور دکانیں کردیں الیں دم میں غارت
مال و مکاں جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہو سپاہی بانکا ترچھا بڑا کہایا بلدار باندھ چیرہ طرہ کو جگمگایا
کھیتوں میں جا کے گڑوا لاکھوں کے تیں بھگایا جب منہ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا
یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا

گھوڑا اٹھا کے ڈوبا فوجوں میں مرد لاور مارے طمنچے بھالے کھائے کٹار جمدھر
مارا قضا نے بھالا جس دم فنا کا آ کر پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی برابر

خود و سلاح چلتہ بکتر ہوا تو پھر کیا

یا خانہ جنگی لڑ کر کھایا بدن میں ٹانکا مونچھوں کو تاؤ دیکر سو دو دست دات بانکا
جب گھور کر قضا کے بانکے نے آکے جھانکا ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

تیغ و سپر قرابین جمدھر ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت مردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کی کرامت
کھوئے مرض ہزاروں ہوئی ہر اک کی راحت جب سر پہ آئی اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت

لقمان یا فلاطوں آکر ہوا تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا سورج گہن بچارے چندر گہن نکالا
برج و ستارے باندھے احکام کو سنبھالا جب وقت اپنا آیا اسوقت کو نہ ٹالا

جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور کر کے علم حاصل یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے سایا ہوا مقابل عامل رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

تعویذ فال جادو منتر ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا پوتھی بغل میں دابی زنار کو سنبھالا
پوچھا کتھا کہانی کیا کیا سبد نکالا کچھ بن سکا نہ آیا جب جان لینے والا

وید و پران پڑھ کر مہنت ہوا تو پھر کیا

یا زہد بندگی میں سوکھا ہو کوئی عابد بیٹھا مصلوں اوپر ہو مسجدوں میں ساجد

حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مجاہد   پھر پوریا نہ بدضا عابد رہا نہ زاہد
روزہ نماز چلہ اللہ اکبر ہوا تو پھر کیا

یا پی کے مے کسی نے کی عیش کامیابی   لوٹا نشے میں ہر جا کر دل سے بے حجابی
جس دم قضا نے اپنی چمکائی آ کے گابی   پھر مے رہی نہ مینا نے مست نے شرابی
اک دم لبوں پہ مے کا ساغر ہوا تو پھر کیا

حسن و جمال پا کر یا خوبرو کہایا   یا عشق میں کسی نے جی جان کو گھٹایا
آ کر پڑا اس سروں پر جس دم اجل کا سایا   دونوں میں پھر کسی کو ڈھونڈا کہیں نہ پایا
عاشق ہوا تو پھر کیا دلبر ہوا تو پھر کیا

یا ہو کے پیر زادے کرنے لگے فقیری   گر کر مرید کتنے کی آ کی دستگیری
جب پیرہن کی کفنی آ کر اجل نے چیری   سب اُڑ گئی ہوا پہ دم میں یدی پیری
مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو نویلے   یا خود منڈے کہا کر سو روپ رنگ کھیلے
میلے کیے ہزاروں مونڈے فقیر چیلے   جب آ فنا پکاری جا سو رہے اکیلے
تکیہ ہوا تو پھر کیا بستر ہوا تو پھر کیا

جوگی اتیت جنگم یا سیورا کہایا   یا کھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈایا
ترسول لے قضا کا جب وقت سر پہ آیا   نے بالکے کو تھا نبا نے آپ کو بچایا
نانک کبیر بلیچھی بھرتھر ہوا تو پھر کیا

یا نیک بن کے بیٹھے اچھے لگے کہانے	یا ہو کے بد ہر اک کے دل کو لگے ستانے
آکر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے	تھے نیک و بد جہاں تک سب لگ گئے ٹھکانے
بہتر ہوا تو پھر کیا بدتر ہوا تو پھر کیا

کیا ہندو اور مسلماں کیا زند و گبر و کافر	نقاش کیا مصور کیا خوش نویس شاعر
جتنے نظیرؔ ہیں یاں اکدم کے ہیں مسافر	رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر
دو چار روز کی خاطر یاں گھر ہوا تو پھر کیا

(۱۱) طفلی پن

کیا دن تھے یارو وہ بھی تھے جبکہ بھولے بھالے	نکلے تھی دائی لیکر پھرتی کبھی ددا لے
چوٹی کوئی رکھا لے بدھی کوئی پہنا لے	ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھا لے
موٹے ہوں یا کہ دبلے گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے	آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے
پہنے پھٹے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے	یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وں بھی واہ وا ہے
کچھ کھالے اس طرح سے کچھ اس طرح سے کھالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ ان کا غم نہ کرنا — نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
انکی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا — جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوڑتے ہیں — گڑ بیر مولی گاجر لے منہ میں گھونٹتے ہیں
بابا کی مونچھ ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں — گرد میں اٹے ہوئے ہیں خاک میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا تو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو ان کو دو سو کھالیں پھیکا ہو یا سلونا — ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہے انکو سونا — پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہئیے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے پھر کی کوئی نچالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے — یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشہ بھی کیا ہے — اب تو نظیرؔ میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے ہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(۱۲) جوانی

کیا عیش کے رکھتی ہے سب آہنگ جوانی — کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
ہر آن پلاتی ہے مے و بھنگ جوانی — کرتی ہے کہیں صلح کہیں جنگ جوانی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا — جو ہر کہیں عاشق، کہیں رسوا، کہیں شیدا
پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا — مرتے ہیں سسکتے ہیں بلکتے ہیں اہا ہا
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

نے مے کا نہ سیجوں کے منگوانے کا کچھ غم — نے دل کے لگانیکا نہ گل کھانیکا کچھ غم
گالی کا نہ آنکھوں کے لڑانے کا کچھ غم — ٹھسنے کا نہ چھاتی سے لپٹ جانیکا کچھ غم
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سین — چھوٹا ہے کہیں پیار کسی سے ہیں لگے نین
وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں مین — نے جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چاہ
کرتا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ
ساقی ہے صراحی ہے پری زاد ہے ہمراہ
کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں واللہ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

چہرے پہ جوانی کا جو آکر ہے چڑھا نور
رہ جاتی ہیں پریاں بھی غرض اس کے تئیں گھور
چھاتی سے لپٹتی ہے کوئی حسن کی مغرور
گودی میں پڑی لوٹتے ہے چنچل سی کوئی حور

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر رات کسی پاس ہے عیش میں غلطاں
اور واں سے کسی اور کے ملنے کا ہو ارماں
گھبرا کے اٹھے جب تو گری پاؤں پہ ہو آں
کہتی ہے کہیں چھوڑ کے جاتے ہو کدھر جاں

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

رستہ میں نکلتے ہیں تو ہوتی ہیں یہ چاہیں
وہ شوخ کہ ہوں بند جنہیں دیکھ کے راہیں
کھانسے ہے کوئی ہنس کے کوئی بھرتی ہے آہیں
پڑتی ہیں ہر اک جا سے نگاہوں پہ نگاہیں

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

تنتے ہیں اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال　　جو پاؤں کہیں راہ کہیں سیف کہیں ڈھال
کھینچے ہیں کہیں بال کہیں توڑ لیا گال　　چڑھ بیٹھے کہیں ہاتھ کہیں منہ پہ دیا ڈال

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

جاتے ہیں طوائف میں تو واں ہوتے ہیں چاؤ　　کہتی ہے کوئی ان کے لیے پان بنا لاؤ
کوئی کہتی ہے یاں بیٹھو کوئی کہتی ہے یاں آؤ　　ناچے ہے کوئی شوخ بتاتی ہے کوئی بھاؤ

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

ہنس ہنس کے کوئی حسن کی چھل بل ہے دکھاتی　　مسی کوئی سرمہ کوئی کاجل ہے دکھاتی
چتوں کی لگاوٹ کوئی چنچل ہے دکھاتی　　کرتی کوئی انگیا کوئی آنچل ہے دکھاتی

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کہتی ہے کوئی رات مرے پاس نہ آئے　　کہتی ہے کوئی ہم کو بھی خاطر میں نہ لائے
کہتی ہے کوئی گھر کو جو جائے ہمیں کھائے　　کہتی ہے کوئی کس نے تمہیں پان کھلائے

اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

گر دل کو کسی شوخ پری کی ہوئی ٹک چاہ		اور ناز میں کرنے لگی اُس وقت وہ اکراہ
جوں باز کہ چڑیا کو کہیں وا لے ناگاہ		مچوادیئی پسپٹ کر وہیں نالی سے اُڑی آہ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آیا جو کوئی حسن کا بوٹا سا کوئی جھاڑ		جا شوخ سے چپ چپ لپٹے یہ نجوں کے تئیں جھاڑ
انگیا کے تئیں چیر کے کرتی کو نیا پھاڑ		اخلاص کہیں پیار کہیں مار کہیں دُھار
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات		اس پن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پریزاد چلے آتے ہیں دن رات		سیریں ہیں بہاریں ہیں تواضع ہے مدارات
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

(۱۳) بڑھاپا

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا		اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا		ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی پہر   چھاتی سے لپٹتے تھے محبت کی جتا لہر
اب آکے بڑھاپے نے کیا ہائے یہ کچھ قہر   اب جن کنے جاتے ہیں گنتے ہیں انہیں زہر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جب تلک ایام جوانی کے ہرے رُکھ   محبوب وہ ملتے تھے نہ ہو دیکھ جنہیں بھوکھ
بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا رُکھ   اب کیا ہے جو پت جھڑ ہوا اور جڑ بھی گئی سوکھ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن و یوسف ثانی   دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
مرتے ہیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی   کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یاد آتے ہیں ہمکو جو جوانی کے وہ ہنگام   اور جام و دلآرام مزے عیش اور آرام
ان سب میں سے جو دیکھو تو نہیں ایک کا انجام   کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردش ایام

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے　　وہ کونسے گلرو تھے جو ہم نے نہیں گھورے
اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے　　پر جھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یارو الٹ ہم سے گیا ہائے زمانا　　جو شوخ کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا بہانا　　ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

خوباں میں اگر جاویں تو ہوتی ہے یہ پھکڑی　　کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
پٹے کہیں اور مونچھیں کہیں جاتی ہیں پکڑی　　ڈاڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل　　واں کیونکہ لگے دل تو ہے محبوبوں کا مائل
محبوبوں میں جاویں تو وہ سب چھیڑتے ہیں مل　　کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے ۔۔۔ تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے
سنتے ہیں کہ کہتی ہیں پنہاریاں کہ بیٹا یہ گئی ہے ۔۔۔ لو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہے جھانولی تالی کا زنانوں میں جو چرچا ۔۔۔ گر ان میں کبھی جا دیں تو ہے یہ ستم آتا
ڈاڑھی کی حگبت بولے کوئی آنکھ کو مٹکا ۔۔۔ ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے آ مرے دادا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جائیں تو یارو ۔۔۔ کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بڑھو ۔۔۔ کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ہے ستاتی ۔۔۔ جو ناچے ہے کافر وہ نہیں پہیان میں لاتی
اور وہ کسی طرف جاوے تو آنکھیں ہے لڑاتی ۔۔۔ پر ہم کو تو کافر وہ انگوٹھا ہے دکھاتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر نا بکہ ان میں کوئی بوڑھی ہے کہاتی ۔۔۔ البتہ بڑھاپے پہ وہ ٹک رحم ہے کھاتی

پھیکی سی پرانی سی لگاوٹ ہے جتاتی — پر تھر ہے وہ ہمکو ذرا خوش نہیں آتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

گر جاویں طواف میں تو لگتی ہیں ستانے — کیا آئے ہو حضرت یہیں قرآن پڑھانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے — ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نقلیں کوئی ان پہ پلے ہونٹوں کی بناوے — جھکا کر کوئی کبڑے کی طرح قد کو جھکاوے
ڈاڑھی کے کئی انگلی کو لا لاکے نچاوے — یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھاوے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بوڑھے ہوئے پر حسن کی چاہت نہیں چھٹتی — آنکھوں سے پہ دیدار کی لذت نہیں چھٹتی
اور دل سے بھی محبوب کی الفت نہیں چھٹتی — سب چھٹ گیا پر دید کی یہ لت نہیں چھٹتی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

اب جتنے ہیں معشوق یہ سب یاد رکھو بات — [illegible] دانیوں کی مدارات
[illegible] سے ہے جوانی کی یہ اوقات — جب بوڑھے ہوئے پھر تو ہوئے ڈھاک کے دو پات

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے   ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
جب آکے گلے لگتے تھے محبوب بھبو کے   اب کہیے تو بڑھیا بھی کوئی منہ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

یہ ہونٹ جو اب پوپلے یارو ہیں ہمارے   ان ہونٹوں نے بوسوں کے بڑے رنگ ہیں مارے
ہوتی تھے جوانی میں تو پریوں کے گذارے   اور اب تو چڑیل آن کے اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ چاہ   اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دلخواہ
یہ قہر بڑھاپے نے کیا آہ نظیر آہ   اب کوئی نہیں پوچھتا اللہ ہے اللہ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

---

(۱۴) فقیروں کی صدا

بٹ مارا اجل کا آپہونچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سرد بھرو بابا
دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس من مار مرو بابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

اب جینے کو تم رخصت دو اور مرنے کو مہمان کرو
خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
یا پوری لڈو بٹواؤ یا خاصہ حلوا نان کرو
کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا سامان کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دل کو لوٹا اپنا جینے سے اب اور گلے کو ست کا ٹو
اب چاٹ فنا کی ٹک چکھو اور خون کسی کا مت چاٹو

دھن چھوڑو حصہ بجرے کی اور بھاجی اپنی تم باٹو
نا کنبہ بچھڑے کو دیکھے اب اور دولتی مت چھپا ٹو
تن سوکھا کبڑی بیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھر دیا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
یہ اسپ بہت کودا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میاں میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا کبڑی بیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
سر کانپا چاندی بال ہوئے منہ پھیلا پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیا گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا کبڑی بیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
یوں پاؤں گھسٹ کر چلنے سے مت رستے کو حیران کرو

اور پوپلے مُنہ سے روٹی کو مت ململ کر ہلکان کرو

اب آپ بُوڑھے ہوئے تم پانی سے مت پانی کا نقصان کرو
کچھ لابھ نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو

تن سوکھا کُبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لیجاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھے سُکھ سے کھاؤ گے

اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
پھر تم سے کچھ نہ بن آویگی گھبراؤ گے پچھتاؤ گے

تن سوکھا کُبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے

تم گٹھری باندھو کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے

تن سوکھا کُبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

گھر بار روپے اور پیسے میں مت دل کو تم خرسند کرو
یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر کچھ مکر کرو کچھ پھند کرو
بس خوب تماشہ دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرایہ کا یا رو صندوق جنازہ ارتھی ہے
جب اس پہ ہوا اسوار چلے پھر گھوڑا ہے نے ہستی ہے
کس نیند پڑے تم سوتے ہو یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ نظیر تیار کھڑی اسواری ہے
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

(۱۵) خوشامد

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے

بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
شاہ مسرور، غنی شاد، گدا راضی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے
اور نہ ہو کام تو اس ڈھب کی خوشامد کیجئے
اولیا انبیا اور رب کی خوشامد کیجئے
اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجئے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دے جسکی طرف ہاتھ جو آہ

وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ
کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جنکا خوشامد کا مزاج
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکان ملک و راج
کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے
غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ہے
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے
نانی دادی بھی خوشامد سے دعا دیتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں
ساس بولیں کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ بھیّا ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

آپڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اُسے
اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے
نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
ساقی و جام شرابی کی خوشامد کیجے
پارسا رند خرابی کی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل و جواں خرد و کلاں پیر و فقیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیرؔ
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

(۱۶) کلجگ

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

کانٹا کسی کے مت لگا گر مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں زہر ہے کس بات پر پھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر پھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

شوخی شرارت مکروفن سب کا بسیکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ آپ دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہ ہے تس کا پرکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

جو اور کی بستی رکھے اس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کے مارے چھری اس کے بھی لگتا ہے چھرا
جو اور کی توڑے دُھری اسکا بھی ٹوٹے ہے دھرا
جو اور کی چیتے بدی اس کا بھی ہوتا ہے بُرا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاویگا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ کل واں پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا، کلیا دیگا کلپاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

کرچک جو کچھ کرنا ہو یاں یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصاں ہووے گا اس بات پر تو دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر

یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

غفلت کی یہ جا گہ نہیں یاں صاحب ادراک رہ
دلشاد رکھ دلشاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیرؔ اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رکھ بیباک رہ
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

(۱۷) مفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
کس کس طرح سے اسکو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہئے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان
تعظیم جسکی کرتے ہیں نواب اور خان

مفلس ہوئے تو حضرت لقماں کیا ہیں یاں ۔ عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈوباتی ہے مفلسی

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں ۔ مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں ۔ وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
انکی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آنکے مجلس کے بیچ حال ۔ سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اسے سنبھال ۔ مفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آکے ملاتی ہے مفلسی

جب ریوڑیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار ۔ مفلس کو دیویں ایک تونگر کو چار چار
گر اور مانگے وہ تو اسے جھڑکیں بار بار ۔ اس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر ۔ دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر ۔ جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخواں پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ ۔ مفلس کرے ہے اسکے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ ۔ کہتے ہیں جسکو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اٹھاتی ہے مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی　　پھر جتنے گھر میں سب تھی اسی گھر کے در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گذر گئی　　ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردے گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور غل مچائے　　مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اُٹھائے　　اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں　　جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں　　پیدا نہ ہو دیں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں آنکے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے　　کپڑے میاں کے بنئے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے　　زنجیر نے کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ کھداتی ہے مفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے　　سب رنگ دم میں کر دے مصور کے گھر بھرے
صورت بھی اسکی دیکھ کے منہ کھنچ رہے پرے　　تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اس کے تو منہ کا رنگ اڑاتی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اداس　　پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس　　گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھیاس

یاں تک حواس اُس کے اڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول　　پیسا کہاں جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ پھوٹا ہو جیسے ڈھول　　گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُسکی اُٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے　　نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چادر اوڑھے جاتی ہے　　بیٹا بنا ہے دولہا تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے　　پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے　　مفلس کی جورو سچ ہے کہ ہاں سب کی بھابی ہے
عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل　　کوئی گدھا کہے اسے ٹھیرا وے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل　　منہ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے　　جو آشنا ہیں انکی تو الفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے　　شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی　　وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی

کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اسکی کھپاتی ہے جان کو
چوری پہ آ کے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لیکے شاہ سے اے یارو تا فقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
وہ جانے جسکے دل کو جلاتی ہے مفلسی

(۱۸) معجزہ حضرت علی علیہ السلام

سنئے موالے علیؑ کے محبانِ دوستدار
اک معجزہ میں کہتا ہوں اُس شہ کا آشکار
ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار
تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار
اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

جس دشت میں شکار کو گذرا تھا وہ غنی
واں ایک شیر رہتا تھا اور اُسکی شیرنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی
دو بچے اس بنی میں تھے وہ شیرنی جنی

دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

بچوں کو اپنی چھاتی سے رکھے وہ بیقرار | دونوں کو تھیں وہ دودھ پلاتی [illegible]
بندوق کی جو آئی صدا بن میں ناگہاں | [illegible] دونوں جدا گئے ہو کے [illegible]

بچے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ | [illegible] دونوں بچوں پہ پڑی نگاہ
رکھوا کے انکو دست پہ جلدی سے [illegible] | لے [illegible] پہنچے محل [illegible]

محلوں میں اپنے آن کے ان سے کیا قرار

جب آئے شیر و شیرنی باحالت تباہ | اور دونوں بچے [illegible]
وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار [illegible] | [illegible]

[illegible]

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب | [illegible]
شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچوں سے بے نصیب | [illegible]

بچوں سے [illegible]

بازار میں نجف کے جب آئی وہ بے حواس | [illegible]
کوئی پکارا دور ہو کوئی پکارا پاس | [illegible]

[illegible]

وہ تو کسی طرف کو نہ [illegible] | [illegible]

آنکھوں سے اُس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی
شاہ نجف کے روضہ پہ فریادی جاتی تھی
لوگ اُس پہ اپنے خوف سے کرتے تھے مار مار

جس دم وہ پہنچی حیدر صفدر کے در تلک
دربان اسکے خوف سے یکسر گئے سرک
داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بیک
رونے لگی وہ سامنے سر کو پٹک پٹک
آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اسکے آنسو کی ندی جو بہتی تھی
بچوں کا داغ اپنے کلیجہ پہ سہتی تھی
کچھ مُنہ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی
گویا وہ شہ سے اپنی زباں میں کہتی تھی
بچے مرے دلائیے یا شیر کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا
مظلوم جیسے روئے ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بلبلا
نکلے تھی آغا آغا کی مُنہ اسکے سے صدا
کہ آغا آغا در دسے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقی کوثر کے سامنے
محتاج بن کے صاحب قنبر کے سامنے
یوں دیکھتی تھی روضۂ انور کے سامنے
مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
کرتا ہے اس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف اسکا کم
سب اسکے پاس آ کے دیکھیں تھے اسکا غم
ہر آن اپنے سر کو پٹک کر بہ چشم نم
بچوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دمبدم
فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

فریاد وہ تو مانگ گئی تھی آغا سے جھوم جھوم / یعنی فلک نے مجھکو دکھایا یہ روز شوم
اِس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم / گرد اس کے مرد و زن کا ہوا آن کر ہجوم
حیرت میں تھے تمام چہ ناداں چہ ہوشیار

کوئی پانی اسکے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا / لیکن اُسے تو رونے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچوں کا داغ ہوش سب اسکے اُڑاتا تھا / جو اسکو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
ایسی طرح سے سر کو پٹکتی تھی بار بار

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی / ناچار آن شریفوں نے دیکھا اسکی بیکلی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی راہ تھی / اس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی
با سینۂ الم کش و با چشم اشکبار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دہائی ہے / اک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
بچوں نے اسکے قید کی آفت جو پائی ہے / سو اب ہمارے روضہ پہ فریادی آئی ہے
کل اُس کا بھید ہووے گا تم سب پہ آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب / واں جا پلنگ اُلٹ دیا اسکا بعین خواب
فرمایا وہ جو شیر کے بچے ہیں دل کباب / بھجوا دے انکو شہر نجف میں تو کل شتاب
ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہوگا شرمسار

ماں ان کی اُن کے واسطے آنسو بہاتی ہے / اور تین دن ہوئے نہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے
فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے / غش ہو ہمارے روضہ میں جی کو کھپاتی ہے

جلدی سے انکو بھیجیے کر اونٹ پر سوار

وہ تھرتھرا کے کانپ اٹھا ہو کے عذر خواہ   جانا یہ اسنے یہ ہیں شہنشاہِ دیں پناہ
بولا نجف تو پندرہ دن کی ہے یاں سے راہ   بھجوا دوں کسطرح سے انہیں کل میں بے گناہ
اتنا تو اِس غلام میں کب ہے گا اختیار

جب حکم یہ ہوا اسے جسوقت ہو سحر   جلدی سے دونوں بچوں کو رکھوا کے اونٹ پر
بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے ادھر   جب یہ پہونچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اوپر
واں پیدا ہوگا غیب سے اِک ناقہ و سوار

ہوتے ہی صبح اس نے منگا کر وہ دو بچے   رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کیے
جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے کنے   کیا دیکھیں ایک شخص کو یا آدھی رات سے
ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

جاتے ہی دونوں بچے انہوں نے اسے دیے   با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے
وہ اُن بچوں کو لے کے چلا اس شتاب سے   آ پہونچا اس مکاں میں اِک پہر دن چڑھے
یک بار اس کا شہر نجف میں ہوا گزار

بچوں کے آنے کے جب غل ہوئے گرد و در   وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منہ کو موڑ
جب لا کے اسکے سامنے بچے دیئے وہ چھوڑ   یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار

بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے   یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے

چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جادو ڈسے لگے　　اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اسکے مُنہ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اسنے بچے پائے تو ہوکر وہ شادماں　　بچوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
روضہ کے سات بار تصدق ہوئی وہاں　　پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہنچی اپنے دشت میں خوش ہوتی بار بار

شبیرِ خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ　　خلقت تمام واں کی پکاری کہ واہ واہ
انصاف ایسا چاہیے اے شاہ دیں پناہ　　حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمہارے لطف سے جب ہوتے ہیں شاد　　انساں پھر اس مکاں سے رہیں کیونکہ نامراد
جیسے تمہارے در سے ملی شیرنی کی داد　　احسان ایسے ایسے بہت سے کرم نہاد
ہیں گے تمہارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیرؔ تمہارا غلام ہے　　رکھتا سوا تمہارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پُر گناہ ہے اور ناتمام ہے　　دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجیو میری آبرو یا شبّیر کردگار



(۱۹) دوالی

ہر اک مکان میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تہوار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے، کھیلوں، بتاسوں کا گرم ہے بازار
ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی
پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاسے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی
کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انہوں کے واں راج آگیا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جنکا ہے بیوپار
انہوں نے کھایا ہے اس دن کے واسطے ہی ادھار
کہے ہیں ہنس کے قرضخواہ سے ہر اک اک بار
دوالی آئی ہے سب دیں دلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے ان میں تو جان سی آئی
خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی

شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے یارگنڈے کی　　پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی　　تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی

کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری　　جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری　　کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری

یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانگی موٹھ نے مارا　　کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا　　لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا

یہ شور آ کے مچا جابجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکارے خدا کے لیے　　بہو کی نوگری بیٹے کے ہاتھ کے کڑے دے
جو گھر میں آوے تو سب مل کہیں یہ گھر دے　　نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں گھر دے

خدا نے تجھکو تو شہدا کیا دوالی کا

وہ اسکے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے مارونگا　　ترا جو گہنا ہے سب تار تار اتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہارونگا　　یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہارونگا

چڑھا ہے مجھکو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے　　کسی زمانہ میں آگے ہوا جو جواری ہے

تو اُسنے جورو کی تھا اور ازار اُتاری ہے ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے
سُنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے ان پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے ان کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ انکو جانیو یارو نصیحتیں ہیں انہیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو جو جواری ہو نہ برا اس کا مانیو یارو
نظیرؔ آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

(۲۰) حضرت سلیم چشتی

ہیں دو جہاں کے سلطان حضرت سلیم چشتی عالم کے دین و ایمان حضرت سلیم چشتی
سرِ دفترِ مسلمان حضرت سلیم چشتی مقبولِ خاص یزدان حضرت سلیم چشتی
سردار ملکِ عرفاں حضرت سلیم چشتی

برجِ اسد کی رونق عرش بریں کے تارے گلزارِ دیں کے گلبن اللہ کے سنوارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے تم وہ ولی ہو برحق جو فیض سے تمہارے

عالم ہے باغ و گلستاں حضرت سلیم چشتی

شاہوں کے بادشہ ہو باتاج باوا ہو　　اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
خلقت کے رہنما ہو دنیا کے مقتدا ہو　　تم صاحب سخا ہو محبوب کبریا ہو

ہے تم سے زیب امکاں حضرت سلیم چشتی

شاہ و گدا ہیں تابع سب تیری مملکت کے　　لائق تمہی ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
پروردہ ہیں تمہارے سب خوان مکرمت کے　　شاہا شرف تو بخشے خالق کی سلطنت کے

اور تم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتی

ہے نام پاک تیرا مشہور شہر و بن میں　　کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں
ہے خلق کی تمہارے خوشبو گل و سمن میں　　خدمت میں ہیں تمہاری فردوس کے چمن میں

جنت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتی

کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو　　کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو
اوصاف تیرے ہر دم لیتے ہیں سیم و زر کو　　پڑھتے ہیں ورد تیری گلشن میں ہر سحر کو

ہو بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتی

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیر فرماں　　چاکر ہیں تیرے در کے فغفور اور خاقاں
خوان کرم ہے تیرے ہے خلق ساری مہماں　　ہیں حکم میں تمہارے جن و پری و انساں

ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتی

تم سب سے ہو معظم اور سب سے ہو مکرم　　خلقت ہوئی تمہارے سب نور سے مجسم

اور خوبیاں جہان کی تم پر ہوئیں مسلّم ابرِ کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرم
عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتی

پشت و پناہ ہو تم ہر اک کے اندیشہ کے محتاج ہیں تمہاری اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آکے پہونچے سالک تمہاری رہ کے خاکِ قدم تمہاری اور چشم مہر و مہ کے
ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتی

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے روشن ہیں تم سے بردے سب آسماں زمیں کے
بیشک ضیائے دل ہو ہر صاحب یقیں کے ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے
ہو آفتابِ رخشاں حضرت سلیم چشتی

عالم ہے سب معطّر تیرے کرم کی بو سے حرمت ہے دوستوں کی حضرت تمہارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو ہے رکھو نظیرؔ کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجدِ ہر احساں حضرت سلیم چشتی

(۲۱) هولی کی بہار

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گلرو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ نازو ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش و مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو، بیہوشی ہو، بھڑوے کے منہ میں گالی ہو

بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھوتوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتا دیں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گا دیں اڑ اڑ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی، کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
اس کھینچا کھینچ گھسیٹی میں بھڑوا رنڈی کا پھکڑ ہو
معجون شراب، ناچ مزا اور ٹکیا سلفا لکڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیر بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش مہکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۲۲) نانک شاہ گرو

ہیں کہتے نانک شاہ جنہیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کامل رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو

مقصود، مراد، امید، سبھی بر لاتے ہیں دلخواہ گرد
نت لطف و کرم سے کرتے رہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرد
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو
ہر آن دلوں وچ یاں اپنے جو دھیان گرد کا لاتے ہیں
اور سیوک ہو کر ان کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سکھ چین انہیں دکھلاتے ہیں
خوش رکھتے ہیں ہر حال انہیں سب من کا کاج بناتے ہیں
اِس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرد
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرد
جو آپ گرو نے بخشش سے اُس خوبی کا ارشاد کیا
ہر بات وہ ہے اس خوبی کی تاثیر نے جس پہ صاد کیا
یاں جس جس نے اُن باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا
ہر آن گرو نے دل اس کا خوش وقت کیا اور شاد کیا
اِس بخشش کے اِس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو
دن رات جنہوں نے یاں دل وچ ہے یاد گرو سے کام لیا

سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا
دکھ درد میں اپنے دھیان لگا جس وقت گرو کا نام لیا
پل بیچ گرو نے آن انہیں خوش حال کیا اور تھام لیا
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
وہ اپنی لطف و شفقت سے نت ہاتھ انہوں کے گہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
دکھ درد انہوں کے ہوتے ہیں سو سکھ سے جگ میں رہتے ہیں
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
وہ ان پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ انہوں کے بھرتے ہیں
آنند عنایت کرتے ہیں سب من کی چنتا ہرتے ہیں
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا، ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو لطف و عنایت ان میں ہیں کب وصف کسی سے اُن کا ہو
وہ لطف و کرم جو کرتے ہیں ہر چار طرف ہیں ظاہر وہ
الطاف جنھوں پر ہیں اُن کے سو خوبی حاصل ہے اُن کو
ہر آن نظیرؔ اب یاں تم بھی تو بابا نانک شاہ کہو
اُس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

(۲۳) جنم کنھیا جی

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
اُس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دوبالا ہوتا ہے
سب بات بپتا کی بھولے ہے جب بھولا بھالا ہوتا ہے
آنند منڈیلے باجت ہیں نت بھون اُجالا ہوتا ہے
یوں نیک پچھتر بیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر اُن کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم
سبھو سماعت سے یوں دنیا میں اوتار گربھ میں آتے ہیں
جو نارد مُن ہے دھیان بھلی سب ان کا بھید بتاتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جب دم اس سرشٹ میں جنمے میں جاتے ہیں

جو لیلا رچنی ہوتی ہے وہ روپ یہ جا دکھلاتے ہیں
یوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی پن میں اُن کے اُپکار نرالے ہوتے ہیں

یہ بات کہی جو میں نے اب یوں اسکو تواب بیان لگا
ہے پنڈت پستک بیچ لکھا تھا کنس جو راجا متھرا کا
دھن ڈھیر بہت، بل تیج پرت سامان انیک اور ڈیل بڑا
گج اور ترنگ اچھے نیکے انباری ہودے زین سجا

جن بن ٹھن اونچے ہستی پر وہ پایی آن نکلتا تھا
سب ساز جھلا جھل کرتا تھا اور سنگ کنک دل چلتا تھا

اک روز جو اپنی تیج بل پر وہ کنس بہت مغرور ہوا
اور ہنس کر بولا دنیا میں ہے دوجا کون بلی مجھ سا
اک بان لگا کر پربت کو چاہوں تو دوں اک پل میں گرا
اس دیس کے بڑے بل جتنے ہیں ہے کون جو مجھ سے ہووے سوا
جو دُشٹ کوئی آ جدہ کرے کب موں پروا کا جو ر چلے
وہ سامنے میرے ایسا ہو جوں چیونٹی ہاتھی پاؤں تلے

وہ ایسے ایسے کتنے ہی جو بول گربہ کے کہتا تھا
سب لوگ سبھا کے سنتے تھے کیا تاب جو بولے کوئی ذرا

تھا ایک پرکھ وہ یوں بولا تو بھولا اپنے بل پر گیا
جو تیرا مارن ہارا ہے سو وہ ہی جنم اب لیوے گا
تو اپنے بل پر ہے ہو کہ اس آن عبث ھنکار لیا
وہ تجھکو مار گراوے گا یوں جیسے بھنگا مار لیا
یہ بات سنی جب کنس نے واں تب سن کر اسکے ہوش اڑے
ہو من کے بیچ آن بھرا اور بول گربھ سگرے بسرے
یوں پوچھا وہ کس دیس میں ہے اور کون ہنوں آ کر جنمے
کون اس کے مات پتا ہوویں جو پالیں اسکو چاہت سے
وہ بولا متھرا نگری میں اک روز جنم وہ پاوے گا
جب سیانا ہوگا تب تجھکو اک پل میں مار گراوے گا
یہ بات سنائی کنس کو پھر اور آٹھ لکیریں واں کھینچیں
بسدیو پتا کا ناؤں کہا اور دیوکی، ماتا ٹھیرائیں
ان آٹھ لکیروں کی باتیں پھر کنس کو اسنے سمجھائیں
سب چھورا چھوری دیوکی کے ہیں جگت میں تیرے آٹھ یو ہیں
بل پنچ گرب میں تو نے تو سب کلاج گیان بسارا ہے
جو پاچھے رکھا کھینچی ہے وہ تیرا مارن ہارا ہے
اس بات کو سن کر کنس بہت تب من میں اپنے گھبرایا

جب نارومن اُس پاس گئے تب اُن سے اس نے بھید کہا
تب نارومن نے اس کو بھی کچھ اور طرح سے سمجھا یا
پھر کنس کو واں اس بات سوا کچھ اور نہ مارگ بن آیا
جو اپنی جان بچانے کا کر سوچ یہ اُس نے پھند کیا
بلوا بسدیو اور دیو کی کو اِک مندر بیچ بند کیا
جب قید کیا ان دونوں کو تب چوکیدار دئے بھٹلا
اِک آن نہ نکسن پا دیں یہ پھر اُن سب کو یہ حکم دیا
سامان رسوئی کا جو تھا سب اُن کے پاس دیا رکھوا
اور دوار دئے اُس مندر کے تب بھاری تالے بھی جڑوا
ہشیار لگے یوں رہنے واں نت چوکی کے دینے تار
کیا تاب جو کوٹھے چھجے پر اِک آن پرندہ پر مارے
بھو بیٹا تھا جو کنس کے من وہ بھر کر نیند نہ سوتا تھا
کچھ بات سہاتی نا اسکو نت اپنی پلک بھگوتا تھا
اس مندر بیں اُن دونوں کے جب کوئی بالک ہوتا تھا
کنس آن اُسے جب مارے تھا من ماتا پتا کا روتا تھا
اِک مدت تک ان دونوں کا اس مندر میں یہ حال رہا
جو بالک ان کے گھر جنما سو مارتا وہ چنڈال رہا

پھر آیا وہ اک وقت ایسا جب آئے گربھ میں منموہن
گوپال، منوہر، مرلیدھر، سیکشن، کشورن، کیول من
گھنشام، مُراری، بنواری، گردھاری، سندر، شیام برن
پربھو ناتھ، بہاری کان للا سکھدائی جگ کے دکھ بھنجن
جب ساعت پرگھٹ ہونے کی واں آئی مکٹ دھریا کی
اب آگے بات جنم کی ہے جے بولو کشن کنہیا کی
تھا نیک مہینہ بھادوں کا اور دن بدھ، گنتی آٹھن کی
پھر آدھی رات ہوئی جس دم اور ہوا نچھتر روہنی بھی
سبھ ساعت نیک مہورت سے واں جنمے آکر کشن جبھی
اس مندر کی اندھیاری میں جو اور اجالی آن بھری
بسدیو سے بولیں دیوکی جی مت ڈر بھوبن میں گھبر کرو
اس بالک کو تم گوکل میں لے پہنچو اور مت دیر کرو
جو تم اس کے لیجانے میں یاں تک بھی دیر لگاؤ گے
وہ دُشٹ اِسے بھی مارے گا پچھتاتے ہی رہ جاؤ گے
اس آن سنبھل کر تم اس کو جو گوکل میں پہنچاؤ گے
اس بات میں یہ پھل پاؤ گے جو اسکی جان بچاؤ گے
واں گوکل باسی جو اس کو لے اپنی گود سنبھالے گا

کچھہ نام وہ اِس کا رکھہ لے گا اور مہر و یا سے پائے گا

جو حال یہ واں جا پہنچے گا تو اِس کا جی بچ جاوے گا

جو کرم لکھی ہے تو پھر بھی مکھہ ہمکو آن دکھاوے گا

جس گھر کے بیچ پلے گا یہ وہ گھر ہم کو بتلاوے گا

ہم اس سے ملنے جاویں گے یہ ہم سے ملنے آوے گا

نے کام ہمیں کچھہ دعوے سے نے جھگڑا او ر بکھیے سے

جب دیکھیں کونسی بیٹلے گا سکھہ پاویں اسکے دیکھے سے

ہے آدھی رات ابھی تو یاں لیجاؤ اسے تم حال اُدھر

لپٹا لو اپنی چھاتی سے دے آؤ جا کے اور کے گھر

من بیچ انہوں کے تھا ڈر یہ دن ہووے گا تو کنس آ کر

اک آن میں اسکو مارے گا رہجاویں گے ہم آنسو بھر

یہ بات نہ تھی معلوم انہیں یہ بالک جگ لنستارے گا

کب مار سکے گا کنس اسے یہ کنس کو آپ ہی مارے گا

جب دیوکی نے بسدیو سے واں رو رو کر تب یہ بات کہی

وہ بولے کیونکر لیجاوں ہے پاہر تو چوکی بیٹھی

اور دوار لگے ہیں تالے کل کچھہ بات نہیں میرے بس کی

نت دیوکی بولی لیجاؤ من ایشر کی رکھہ آس ابھی

وہ بالک کو جب لے نکلے سب سانکر پٹ پٹ چھوٹ گئے
تھے تالے جتنے دوار لگے اُس آن جھڑا جھڑ ٹوٹ گئے

جب آئے چوکیداروں میں تب واں بھی یہ صورت دیکھی
سب سوتے پائے اس ساعت ہر آن جو دیتے تھے چوکی

جب سوتا دیکھا اُن سب کو ہو نربھو نکلے واں سے بھی
پھر آئے جمنا پہ جو ہیں پھر جمنا دیکھی بہت چڑھی

یہ سوچ ہوا من بیچ انہیں پھر اس جل میں کیسے دھرئیے
ہے رین اندھیری بالک سنگ اس بپتا میں اب کیا کرئیے

یوں من میں ٹھرا بھر چلئے پھر آپ ہی من مضبوط ہوا
بھگوان دیا پر آس لگا واں جمنا جی پر دھیان دھرا

یہ جوں جوں پاؤں بڑھاتے تھے وہ پانی چڑھتا آتا تھا
یہ بات لگی جب ہونے واں بسدیو گئے من میں گھبرا

جب پاؤں بڑھائے بالک نے جو آپ سے اور بھیگے جل میں
جب جمنا نے پگ چوم لئے جا پہونچے پار وہ اک پل میں

جب آن براجے گوکل میں سب بہا نک واں بھی پاکے کھلے
تب واں سے چلتے چلتے وہ پھر نند کے دوارے آ پہونچے
واں نند محل کے دوارے بھی سب دیکھے پٹ پٹ دوار کھلے

جو چوکی والے سوتے تھے اب کون انہیں روکے ٹوکے
جب بیچ محل کے جا پہونچے سب سوتے واں گھر والے تھے
ہر چار طرف اجیالی تھی جوں سانجھ بیچ دیے بالے تھے
اک اور اچنبھا یہ دیکھو جو رات جنم بسی کشن کی تھی
اس رات جسودا کے گھر میں تھی جنمی یاروا اک لڑکی
واں سوتے دیکھ جسودا کو اور بدلی کر اس بالک کی
اس لڑکی کو وہ آپ اٹھا لے نکلے آ سے متھرا جی
جب لڑکی لائے مندر میں سب تالے مندر لاگ اٹھے
جو چوکی دینے والے تھے پھر وہ بھی اس دم جاگ اٹھے
جب بھور ہوئی تب گھبرا کر سدہ کنس نے لی اس مندر کی
جب تالے کھلوا بیچ گیا تب لڑکی جنمی اک دیکھی
لے ہاتھ پھرایا چکر دے تو ٹپکے وہ بن سے ٹپکے ہی
یوں جیسے بجلی کوندے ہے جب چھوٹ ہوا پر جا پہونچی
یہ کہتی نکلی اے مورکھ کیا تو نے سوچ بچارا ہے
وہ بیٹیا اب تو سیس مکٹ، جو تیرا مارن ہارا ہے
جب کنس نے واں یہ بات سنی من بیچ بہت سا لجیایا
جو کارج ہونے والا ہے وہ ٹالے سے کب ہے ٹلتا

سو فکر کرو سو پیچ کرو سو بات سنا و حاصل کیا
ہر آن وہی یاں ہوتا ہے جو ملتھے کے ہے بیچ لکھا

ہیں کہتے بدھ جسے اب یاں وہ سوچ بڑے ٹھیراتی ہے
تقدیر کے آگے پر یارو تدبیر نہیں کام آتی ہے

اب نند کے گھر کی بات سنو واں ایک اچنبھا یہ ٹھیرا
جو رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا

گھڑنالیں چھوٹیں، ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا
پھر کشن گر نے نام رکھا سب کنبے کے مل بیٹھے آ

نندا اور جسودا اور کوات کرنے واں پیرا پھیر لگے
پکوان مٹھائی میوے کے ہر ناری آگے ڈھیر لگے

سب ناری آئیں گوکل کی اور پاس پڑوسن آبیٹھیں
کچھ ڈھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گیت جچا کے گاتی تھیں

کچھ ہر دم مکھ اس بالک کا پیاری ہو کر دیکھ رہیں
کچھ تھال پنجیری کے رکھتیں کچھ سونٹھ سٹھورا کرتی تھیں

کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لینے کو
کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آنند بدھاوا دینے کو

کوئی گھٹی بیٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بوسی

کوئی لائی ھنسلی اور کھڑوے کوئی کرتہ ٹوپی، میوہ گھی
کوئی دیکھے روپ اس بالک کا کوئی ماتھا چومے بھر بھری
کوئی بھنووں کی تعریف کرے کوئی آنکھوں کی کوئی پلکوں کی
کوئی کہتی عمر بڑی ہووے اے بیر تمہارے بالے کی
کوئی کہتی بیاہ بھولاؤ اس آس مراد ولے کی
کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بہنا تیری نیک رتی
یہ بالے ہم کو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑ بھاگی
اس کنبے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑا اس گھر کے بھی
یہ باتیں سب کی سن سن کر یہ بات جسودا کہتی تھی
اے بیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جنما ہے
کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگوان کی موہ پہ کرپا ہے
تھی کونے کونے خوشوقتی اور طبلے تال کھٹکتے تھے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
ہر چار طرف آنندیں تھیں ڈال گھر میں نند جسودا کے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے
سو خوبی اور خوش حالی سے دکھلاتی تھی سامان گھڑی
سچ بات ہے بالک ہونے کی ہے دنیا میں آنند بڑی

پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب ریت ہوئی دُودھ کاندو کی
رکھوائی دودھ کی مٹکی پھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
میاں اس پر چھینٹے پھر پھر کر وہ اس پر ڈالے گھڑی گھڑی
کوئی پونچھے مکھ اور باہن کو کوئی سگری بھیگی اور تھری

اس دودھ کی بھی رنگ رلیوں میں روپیلا اور بہار نیاری کا
اور تن کے ابرن یوں بھیگے جوں رنگ ہو کیسر کیاری کا

سُکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باہر نیگی جوگی بھی
کچھ ناچیں بھانڈ بھگتے بھی کچھ ہیجڑے پاویں بیل بڑی
آنند بدھاوے باج رہے نرسنگے بینا اور ترلی
رنگین سنہرے پالنے بھی لے ہاتھ کھڑے کتنے برتی

ہر آن اُٹھاتے تھے مانگ کیا گنتی سونے روپے کی
نند اور جسودا نے ایسی کی شادی بالک ہونے کی

جو نیگی جوگی تھے انکو اس آن نپٹ خوشحال کیا
پھر آئے باگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہتیرا
اور جتنے ناچنے والے تھے اسباب انہیں بھی خوب دیا
مہمان جو گھر میں آئے تھے سب ان کا بھی ارمان رکھا

دن رات چھٹی کے ہونے تک من خوش کیا لوگ لگائی کا

بھر تھال روپے اور مہریں دیں جب نیگ چُکایا دائی کا
نند اور جسودا بالک کو واں ہاتھوں چھاؤں میں تھے رکھتے
نت پیار کریں تن من واریں ستھری ابرن گہنے بنکے
جی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے
ہر آن جھلاتے پلنے میں ادھر اور اُدھر جھلاتے
کر یاد نظیر اب ہر ساعت اُس پالنے اور اُس جھولے کی
آنند سے بیٹھو چین کرو جے بولو کان جھنڈولے کی

(۲۴) بانسری

جب مرلی دھر نے مُرلی کو اپنی اَدھر دھری
کیا کیا پریم پریت بھری اس میں دھن بھری
لے اس میں رادھے رادھے کی ہر دم بھری کھری
لہرائی دُھن جو اُس کی ادھر اور اُدھر ذری
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

کتنے تو اس کے سننے سے دُہن ہو گئے دھنی
کتنوں کی سدھ بسر گئی جب دم وہ دُہن سنی
کتنوں کے من سے کل گئی اور بیاکلی چُھنی
کیا تر سے پنکھے تاریاں کیا کوڑہ کیسا گنی
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

جس آن کانہ جی کو وہ بنسی بجاونی
جس کان میں وہ آونی واں سدھ بہلاونی
ہر من کی ہو کے موہنی اور چیت لبھاونی
نکلی جہاں دھن اس کی وہ میٹھی سہاونی
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

جس دن سے اپنی بنسی وہ سیاکشن نے سجی
اس سانورے بدن پہ بسنت آن کر سجی
مرلی بہلایا آپ کو ناری نے سدھ تجی
انگلی ادھر سے آ کے وہ بنسی جدھر بجی
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری

ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

گوالوں میں نندلال بجاتے وہ جس گھڑی
گویں دھن اُسکی سننے کو رہجاتیں سب کھڑی
گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اس کی دھن بڑی
لے لے کے اپنی لہر جہاں کان میں پڑی
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بنسی کو مرلی دھر جی بجاتے گئے جدھر
پھیلی دھن اسکی زور ہر اک دل میں کر اثر
سنتے ہی اس کی دھن کی حلاوت ادھر اُدھر
مُنہہ چنگ اور نے کی دھنیں دل سے بھول کر
سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اُسکی چاہ
کرتی دھن اس کی پنچھی پشو کے دل میں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
پڑتے ہی دھن وہ کان میں بلہاری ہو کے واہ

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

کتنے تو اس کی دھن کے لئے رہتے بیقرار
کتنے لگائے کان اُدھر رکھتے بار بار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار
آئے جدھر بجاتے ہوئے شیام جی مُرار

سب سُننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

موہن کی بانسری کے میں کیا کیا کہوں جتن
لے اس کی من کی موہنی دُھن اسکی ہت ہرن
اس بانسری کا آن کے جس جا ہوا بجن
کیا چل پون نظیؔر پکھیرو کیا ہرن

سب سُننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری



(۲۵) آگرے کی تیراکی

جب پیرنے کی رت میں دلدار پیرتے ہیں   عاشق بھی ساتھ اُنکے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے سیانے ناداں ہشیار پیرتے ہیں   پیر و جوان لڑکے عیّار پیرتے ہیں
ادنی غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اِس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جھرنے سے لیکے یارو سیتا کا تا پیالہ   چھتری سے برج خونی دارا کا چوترا کیا
مہتاب باغ اسید تیلی قلعہ و روضہ   غل شور کی بہاریں انبوہ سیر چرچا
ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیو داس کا چمن ہے   اُن میں جگہ جگہ پہ مجلس ہے انجمن ہے
میوہ مٹھائی کھانے اور ناچ دل لگن ہے   کچھ پیرنے کی دھومیں کچھ عیش کا چلن ہے
ہر اک مکان میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہے خوب دریا   ہر جا گھری و چادر بندہ اور ناند چکوا
ہیٹا ، بھنور اچھالن چکر سمیٹ مالا   مینڈا گھمیر تختہ کستھ بچھاڑ کترا

واں بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہا ہا ہوتی ہیں کیا بہاریں   خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں ہر اک کی قطاریں
پیریں نہاویں اچھلیں کودیں لڑیں پکاریں   لیتے وہ چھینٹ غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں
کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے   پیر اک اس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے   پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینہ   سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ   سرووں کا یہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں اُنمیں کتنے پانی پہ صاف سوتے   کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے   حقوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں

اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے کچھ تماشے — دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لب ریز گلرخوں سے دونوں طرف کرارے — بجرے و ناؤ، چپو، ڈونگی بنے نواڑے

ان جمگھٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گلرو ناچوں میں جھک رہے ہیں — جوڑے بدن میں رنگیں گھنے جھنک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں — عیش و طرب کی دھو میں پانی چھپک رہے ہیں

سو سا ٹھے کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے — پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
مور مکٹ کنہیا، جمنا کے تیر کی جے — پھر غول کے سب اپنے خورد و کبیر کی جے

ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیرؔ یاں کے ہیں پیرنے کے بانی — ہے جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن بانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی — سب خوش رہیں ہے جب تک جمنا کے بیچ پانی

کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

(۲۶) موسمِ زمستان

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پہپو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلے پہ کلہ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑا کڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ جھاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے کر

سناٹا پاؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل تب زور مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی چٹکی لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش و طرب میں پلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں آ کر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن اور تس پر
وہ دلبر شوخ پری چنچل ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر سو ناز و ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں

منہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن اُنکے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالہ پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیرؔ اس کی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیا ہو آ کر جس جس ارماں کی باری ہو
جب سب ارماں نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

(۲۷) اُومس

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اُومس — گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُومس
پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اُومس — ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر ہے اُومس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

کہتے تو اس اُومس کے تئیں کھتے میں گرباؤ — یعنی کہ گھرا ابر ہوا اور آ کے رُکے باؤ
اس وقت تو پڑتا ہے غضب جان میں گھبراؤ — دل سینہ میں بیکل ہو یہی کہتا ہے کھا تاؤ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند ۔ پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کمر بند ۔ دم رُک کے گھلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ادھر تو پسینوں سے پڑی بھیگے ہیں کھاٹیں ۔ گرمی سے اُدھر میل کی کچھ چینوٹیاں کاٹیں
کپڑا جو پہنئے تو پسینے اُسے آٹیں ۔ ننگا جو بدن رکھئے تو پھر مکھیاں چاٹیں

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

رُکنے سے ہوا کے جو بُرا ہوتا ہے احوال ۔ پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم دھونکنے لگتا ہے تناؤں کی گویا کھال ۔ کچھ روح کو بے تابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

گھبرا کے کبھی آتا ہے دم جاتا ہے بھولا ۔ آرام جو دل کا ہے سبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش کبھی جاتا ہے بھولا ۔ کپڑے بھی بُرے لگتے ہیں جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آ کر ۔ کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر

ادھر تو ہوا بند اُودھر پسّو و مچھر — پانی کوئی پیوے تو اُدھر ہے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

جس وقت ہوا بند ہو اور آ کے گھٹا چھائے — پھر کیجئے واں اس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینہ جو نہ اوڑھو تو غضب آئے — پسّو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی — تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُومس کی چڑھائی — تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

اُومس میں تو لازم ہے کہ پنکھا نہ ہوا ہو — اک کوٹھری کہ جس میں نہ ہوا آ کے بھرا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گر تن سے ملا ہو — اس وقت مزا دیکھئے اُومس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُومس

اس رت میں تو واللہ عجب عیش ہے دلخواہ — مینہ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبزہ ہرا گاہ — اُومس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیرؔ آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

(۲۸) کورا برتن

کورے برتن ہیں کیا ری گلشن کی　　جس سے کھلی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی　　کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آب اب بڑی ہے ذات　　قطرہ قطرہ ہے جس کا آب حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا بات　　پھر تو آب حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے　　دھی آنہ کے مول کو لی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے　　کیا کہوں گولی گولی گولی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندہیں   ہم نے پانی کی گولیاں باندہیں
سوندھی سوندھی ٹھٹولیاں باندہیں   دل نے پھولوں کی جھولیاں باندہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا   اس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا   دل گھڑے کی طرح سے دے پٹکا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیاں یہ دیکھ کر لوٹا   دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا   جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں   کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں   جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجر ہے ۔ جس کی جاگیر تلک جھجر ہے
بیل بوٹے سے اس جھمک پر ہے ۔ تاش کمخواب یا مشجر ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے ۔ موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے ۔ دوستو یہ بھی بات پانی ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں ۔ اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں ۔ وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ انکو گڑھتے ہیں ۔ بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں ۔ حور و غلماں درود پڑھتے ہیں
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیر جوبن ہے ۔ جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے

جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

(۲۹) کوا اور ہرن کا بچہ

اک دشت میں سنا ہے کہ اک خوب تھا ہرن
بچہ ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن
پھرتا تھا چوکڑی کا دکھاتا مزا ہرن
دیکھا جو ایک کوے نے وہ خوشنما ہرن
دل کو نہایت اس کے وہ اچھا لگا ہرن
وہ باتیں کرکے کوے نے اس کو لگا لیا
دم میں ہرن بھی کوے کی الفت میں آ گیا
کوے ہرن میں ٹھیری جو گہری محبت آ
کوا جدھر جدھر کو خوشی ہو کے جاتا تھا
پھرتا تھا اس کے ساتھ لگا جا بجا ہرن

اک گیدڑ اس ہرن کے کنے آ کے نابکار
بولا ہزار جان سے میں تم پہ ہوں نثار
مجھکو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار
اور دل میں یہ کہ کیجیے کس طور سے شکار
اس کے دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن
گیدڑ یہ کہہ کے مکر سے جس دم گیا اُدھر
کوا ہرن سے کہنے لگا کر کے شور و شر
یہ سخت مکر باز ہے کر اس سے تو حذر
اک دن دغا سے تجھکو یہ پکڑے گا فتنہ گر
سن کر یہ بات کوے کی چپ ہو رہا ہرن
دن دوسرے ہرن کنے گیدڑ پھر آگیا
کوے کو سوتا دیکھ یہ بولا وہ پُر دغا
میں آج دیکھ آیا ہوں اک کھیت کیا ہرا
تم کھاؤ اس کو چل کے تو ہو شاد دل مرا
سنتے ہی اس کے ساتھ اچھلتا چلا ہرن
جس کھیت پر یہ لے کے گیا اس کو بد سگال
واں پہلے دیکھ آیا تھا وہ اک ہرن کا جال

لے پہنچا جب ہرن کے تئیں کھیت پر شغال
جاتے ہی واں ہرن نے دیا منہ کو اس میں ڈال
منہ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن
واں پھر پھڑاتا آ گیا کوا بھی ناگہاں
گیدڑ کو دے کے گالی ہرن سے کہا کہ ہاں
تڑپے مت اس میں ورنہ تو ہووے گا ناتواں
کوے کی بات سنتے ہی ہمت کو باندھ واں
جیسے کہ گر پڑا تھا وہیں پھر اٹھا ہرن
گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ
کوا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ
یا اک کھری تو ایسی لگا پاؤں کی لپیٹ
جاوے جو اس کے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ
سنتے ہی یہ تو سینگ ہلانے لگا ہرن
گیدڑ نے خوب کوے کو دیں جل کے گالیاں
صیاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں
اس میں شکاری آ کے ہوا دور سے عیاں
کوا پکارا لیٹ جا دم بند کر کے یاں

دم بند کر کے اپنا وہیں گر پڑا ہرن
گیدڑ نے اس کو دیکھ کے اک جا کے جھاڑی لی
صیاد اس ہرن کو پڑا دیکھ اس گھڑی
افسوس کر کے دام کی رسی وہ کھول دی
کوا پکارا بھاگ ارے وقت ہے یہی
سنتے ہی واں سے چوکڑی بھر کر اڑا ہرن
صیاد نے جو دیکھا ہرن اٹھ چلا جھپاک
جلدی سے دوڑ پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اس نے تاک
بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آ کھٹاک
سر اس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن
گیدڑ نے اس ہرن کا جو چیتا تھا واں برا
پائی اسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
تھا یہ تو نثر میں نے اسے نظم میں کیا
پہونچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
کوے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش رہا ہرن

(۳۰) خواب کا طلسم

یارو ذرا سنو یہ عجب سیر ہے بڑی　　صحنِ چمن میں ابر کی آکر لگی جھڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم کوئی گھڑی　　کل بے خبر جو رات کو سویا میں جس گھڑی
اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھکو وہ نادر محل سرا　　دل میں پری کے باغ کا مجھکو یقیں ہوا
جب اس مکان کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا　　دیکھوں تو اس کا ہے در دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھئے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا جو نہیں میں اُس چمن زر فشاں میں　　جھمکے مکان جو اس کے مری آن آن میں
عالم سحر پردوں میں اور سائبان میں　　کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر اک مکان میں
سونے کی کھان ہے کہ یہی بھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام　　فرش طلا بچھا کہیں کہیں زربفت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام　　طاق و رواق اُس کے چمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی پھر اس میں ایک ستم ایجاد دلربا　　اوپر نظر گئی جو مری سکتہ سا آ گیا
صورت وہ قمر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا　　اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا

نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی

خونریز ابرو جاں کی قاتل ہر اک نگاہ　　مژگاں وہ برچھیوں کو لئے تن رہی سپاہ
مہندی سے انگلیوں نے کئے خون بے گناہ　　آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشک ناب سی چہرہ وہ چاند سا　　جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا　　جاتا تھا سرخ جوڑے سے یوں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

دیکھے تھی اس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبین　　شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
حسرت سے آنکر مری آنکھوں نے واں جو ہیں　　دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا　　تصویر بن رہی تھی لگا سر تا بہ پا
اس دم بندھی تھی اسکی غضب آن کر ہوا　　کافر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ اک ہاتھ میں چھڑی

دیکھی جو میں نے واں یہ طلسمات کی ہوا　　عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اسکی چمک چمک کی بہاریں کہوں میں کیا　　چمکا جو وہ مکاں مری آنکھوں میں نور سا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکاں تو میں نے نہ دیکھا تھا نے سنا　　دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا

چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نقاب اٹھا   اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اٹھ گیا
بجلی سی کچھ چمک گئی آنکھوں میں اس گھڑی

آکر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ   لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جان وہ شوخ
کچھ چلبلی نگاہ تھی کچھ انکھڑیاں وہ شوخ   کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں شوخ
اتنے میں چھُری اسکی نظر مجھ پہ آ پڑی

اس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیان   بجلی تھی یا کہ تیر تھی گولی تھی یا سناں
میری طرف کو دوڑ کے آتی تھی ناگہاں   میری نظر بھی دوڑ کے اسکی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑائی خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب   الفت کی آ کے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشک ماہتاب   اکبار کھلکھلا کے ہنسی اور از شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آکر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بلایا ہے کیوں مجھے   دے خواب کو دغا کہ نہ پاتا تو یوں مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا یوں مجھے   ہنس کر لپٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اس گلبدن سے جبکہ ملی آ کے مجھکو داد   مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد   میری تو اس پری سے یہی عین تھی مراد
سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک پھلجھڑی

پالا پڑا جو مجھکو اس آبِ حیات سے
جاں آگئی بدن میں سکر اُسکی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے
دو چار جام مجھکو پلا اپنے ہاتھ سے
سو ناز سے پلنگ پہ میرے پاس آ پڑی

آنے سے اسکے دل کا مرے کھل گیا چمن
عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی جھڑن
نازک کمر وہ صاف شکم اور وہ نرم تن
گل سا ملا جو مجھکو پیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اسکو لگا یا جو میں سے گلے
سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے دارے
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے
سینہ سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
لوٹنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

ایدھر تو جوش عشق ادھر حسن اور جوبن
ناز و ادا کی ہونے لگی آکے چھیڑ چھوں
ان عشرتوں پہ آ کے نصیبوں کو کیا کہوں
چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آکے یک بیک
آنکھوں سے میری اس گھڑی آنسو ٹپک پڑے پلک
نیند اڑ گئی قرار گیا اور جل گئی پلک
جاگا کیا نظیر میاں پھر تو صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی



(۳۱) ریچھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ — لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ — جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا — لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا، اور ہاتھ میں پیالا — بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشہ
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچہ

تھا ریچھ کے بچہ پہ وہ گہنا جو سراسر — ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں در اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر — وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جن پہ کرن پھول — مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول
اور اس کے سوا کتنے بڑھائے تھے جو گل پھول — یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں — اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی ڈکاریں — غل شور مزے بھیڑ ٹھٹھ انبوہ بہاریں

جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر — وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر — ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا — لڑنے کے سوا ناچ بھی اسکو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھولک کے تئیں گت پہ بجایا — اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ — پھر کھروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سنتے کہیں پیر و جواں واہ — سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب سجا ریچھ کا بچہ

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد — کرتا تھا کوئی قدر شناخت کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد — اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے اُستاد
تو بھی جئے اور ترا اسدا ریچھ کا بچہ

جب ہم نے اٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا — خم ٹھونک کے پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا — جو چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو چھکایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا — للکارتے ہی اس نے ہمیں آن پچھاڑا

گہ ہم نے پچھاڑا آ سے گہ اس نے پچھاڑا　　اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچہ

یہ داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی ہار　　یوں ہارے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
سب نقد ہوئے آ کے سوا لاکھ روپے ڈھیر　　جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منہ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ اہا ہا　　اس کے تو ہمیں استاد ہو واللہ اہا ہا
یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ اہا ہا　　کیا کہیے غرض آخرش اے واہ اہا ہا
ایسا تو نہ دیکھا نہ سنا ریچھ کا بچہ

جس دن سے نظیر اپنے تو دلشادہی ہیں　　جاتے ہیں جدھر کو اُدھر ارشاد ہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد ہی ہیں　　کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد ہی ہیں
کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچہ

(۳۲) راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سر دار کی راکھی

سلونوں میں عجب رنگین ہے اس دلدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گل کو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے اہا ہا ہا غنیمت ہے یہ عالم بھی
اُٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہر اک گلرو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
ولیکن تم سے اے جان اور کچھ راکھی کے گل پھولے
دوانی بلبلیں ہوں دیکھ گل چننے لگیں تنکے
تمہارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہونچے، اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخ گل رخسار کی راکھی
پھر یاں میں راکھیاں باندھے ہے جو ہر دم حسن کے تارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ لے جان جاؤ کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اوپر بارے
نظیر آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

(۳۳) سخاوت وعشرت

زر دار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو
تن زیب تن سکھوں سے زربافت اپنے تن کو
جو زر چلن چلیں ہیں جس طرح تو بھی اُس چلن کو

مرشد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جا بیٹھ میکدوں میں سب درد و غم سے ہٹ کر
چھکا گلابی مے کی پیالے الٹ پلٹ کر
محبوب دلبروں سے خوش ہو لپٹ لپٹ کر
پی دودھ اور بتاشے میوہ مٹھائی چٹ کر
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملے سو کھا جا
تاشں اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
پاپی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا
اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

صندوق میں جو زر ہے اسکو ابھی سے گنوا دے
مے کے پیالے تا لے طبلوں کو کھڑکھڑا دے

کوٹھے مکاں حویلی سب کھود کر کھلاوے
کڑیاں تلک جلاوے اینٹیں تلک اڑاوے

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کُٹن زر چھوڑ کر مرے گا
یا کھائے گا جنوائی یا خالصے لگے گا

تیرا وہی ہے جو کچھ راہ خدا میں دے گا
کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا
مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے ڈل کا
آگے سے تو نے دل کے بوجھ تو اس سے ہلکا
کر سوچ اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے پھر وہ ہی دھن بھی دے گا

مال دکان حویلی باغ و چمن بھی دے گا
جیتا رہے گا جب تک کھانے کو اَن بھی دے گا
مر جاوے گا تو وہ ہی تجھ کو کفن بھی دے گا
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے کہ گڑے دبے ہیں سب کھالے اور کھلالے
رکھ دشمن اسی کی دل میں اب کھالے اور کھلالے
اپنا سمجھ اسی کو جب کھالے اور کھلالے
اب تو نظیر تو بھی سب کھالے اور کھلالے
دل کی خوشی کی خاطر کچھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

(۳۴) چاندنی رات

صحن چمن میں واہ واہ زور چھٹکی تھی چاندنی
چاند ہلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی

آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلہ زری
چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری

بوس و کنار جام مے عیش و طرب ہنسی خوشی
اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں
چھوٹے تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چنی تھی صف بہ صف مے کی کئی گلابیاں
ہم کو نشہ کی مستیاں یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں آنکھوں میں بے حجابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

شب کو دلوں میں واہ واہ زور مزوں کے تار تھے
ہم سے دوچار یار تھا یار سے ہم دوچار تھے
دونوں دلوں میں پیار تھا دونوں گلوں میں ہار تھے

وصل کے بیقرار تھے عیش کے کاروبار تھے
سینہ میں آسمان کے تیر حسد کے پار تھے
ایک پلک میں ناگہاں سب وہ مزے شرار تھے
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی
چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک
چہک رہیں تھیں بلبلیں باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب بوسوں کی سو لپک جھپک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
ایسے مزہ میں عیش میں آہ کہیں سے ہٹ دہک
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی
ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا
ایک طرف وہ رشک مہ میری بغل میں تھا پڑا
دونوں دلوں میں لذتیں دونوں جیوں کا عیش تھا
مے کی گلابی ہاتھ میں آنکھوں میں چھا رہا نشا

ہونٹوں سے ہونٹ لگ رہے سینہ سے سینہ مل رہا
اتنے میں آہ یک بیک کیا ہی غضب یہ ہو گیا
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

واہ ہوئیں تھیں رات کیا چاندنی کی اجالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ دیتا تھا میٹھی گالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے ساقی کی پی کے پیالیاں
جل کے فلک نے اس میں ہائے اتنی بلا یہ ڈالیاں
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ برسے تھی نور کی جھڑی
نازنینوں کے تھے بندھے اوٹے تھی چاندنی پڑی
غنچہ دہن تھا بے خبر پی تھی جو مے کڑی کڑی
دیتا تھا بوسہ پیار کے سینہ سے مل گھڑی گھڑی
چشم سے چشم لب سے لب چھاتی سے چھاتی جب لڑی

کیا ہی گھڑی تھی عیش کی اس میں بلا یہ آ پڑی
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ یا کہ بہشت یا ارم
یار تھا یا کہ حور تھا یا کہ پری وہ یا صنم
چاندنی تھی وہ چاندنی چاندی کا رنگ جس سے کم
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی لیتے تھے بوسے دمبدم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جب کہ ہم
عین مزہ تھا وصل کا اس میں نظیر یہ ستم
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۳۵) ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے

ہر خاطر کو خورسند کیا ہر دل کو لبھایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھڑکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھمی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے

یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور دھوم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاری کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے وہ چھینٹا کشتی کہیں ٹھیری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں چمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اچھلیں ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو پیاروں کی ہر جانب نوکا جھونکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ ہاں ادھر سے روکی ہے
کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ ٹوکی ہے
کچھ شور اہا ہا ہا کا کچھ دھوم اُھو ھو ھو کی ہے
یہ عیش یہ حظ یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے

کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شادواں منہ پر لالی ہے
سو کثرت عیش مسرت کی خوشوقتی اور خوش حالی ہے
کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے
ان چرچوں کا ان جھملوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامنوں کے گاتے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے اور کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

(۳۶) جوگی نامہ

صفحۂ رخ پہ ترے خوبیٔ خط کی ہے پھبن
ہے سویدا ترے عاشق کا ترا خال ذقن
رشک گل دست حنائی کو کہے دیکھ چمن
ہو رقم کس قلم شوق سے لے غنچہ دہن

اشتیاقے کہ بہ دیدار تو دارد دل من

اب جو مل جائے کہیں وہ تو یہ ہم اُس سے کہیں
کب تلک درد جدائی کو بھلا تیرے سہیں
اتنا بھی بس نہیں اے یار کہ ہم مر ہی رہیں
دور جس دن سے ہوا تجھ چمنِ حسن سے میں
نہ مجھے باغ خوش آتا ہے نہ گلشن نہ چمن

بید مجنوں ہیں کہ ہیں تاک پریشاں خاطر
یا ہیں خاکستر خاشاک پریشاں خاطر
ہم غرض ایسے ہیں غمناک پریشاں خاطر
چشم نمناک جگر چاک پریشاں خاطر
چاک بر چاک گریباں سے لگا تا دامن

جور اور ظلم سے اس کے نہ کبھی گھبرانا
نہ کبھی شکوہ بیداد زباں پر لانا
کام ہرگز نہ کسی سے نہیں آنا جانا
کوئی کچھ پوچھے تو منہ دیکھ کے چپ رہ جانا
نہ تکلم نہ اشارت نہ حکایت نہ سخن

یاد اُس شوخ کی کیا کیا ہی ستم لاتی ہے

جان بے چینی سے تن میں مرے گھبراتی ہے
آہ کرتا ہوں تو بجلی سی نکل آتی ہے
جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں کی بہن
دشت اور کوہ میں وحشی سا پڑا پھرتا ہوں
برق کی طرح سے بے تاب سا پھرتا ہوں
میں غرض تجھ سے صنم جب سے جدا پھرتا ہوں
رات دن ہجر میں جوگی سا بنا پھرتا ہوں
بے قراری سے ترے نام کی جپتا سمرن
جور اور ظلم مرے دل نے ہزاروں ہی سہے
شکوہ جو کر بھلا تیرا کہاں تک نہ کرے
اب تو یہ حال ہوا ہجر میں اے یار مرے
دوش پر بار الم کانوں میں غم کے مندرے
اشکوں کے تار گلے میں پڑے سیلی کے بدن
عشق میں جوگی ہوئے جب سے ہمیں بھائی بھبوت
بیٹھے در پر ترے اور گرد سے پھیلائی بھبوت
دیکھ ٹک آن کے کس روپ میں لگائی بھبوت

پیرہن گیروا اور تن کے اُوپر چھائی بھبوت
سر سے لے پاؤں تلک خاک ملی ہو وہ من
گہ درِ کعبہ پہ پیشانی کو اپنی گھسنا
گاہ مسجد میں میاں مانگنا جا جا کے دعا
انکساری سے کبھی دیر میں ہر دم جانا
دم بہ دم آہ کی بونگی سے بجانا یہ صدا
دیکھیے کون سے دن ہر ہیں دینگے درشن
دیکھا میرے تئیں جو تن کے اُوپر گل کھائے
اور کپڑے بھی رنگے گیروے تن پر پائے
دیکھ یہ حال تعجب سے بشر گھبرائے
کوئی کہتا ہے کہ جوگی جی کدھر کو آئے
سچ کہو کون سی نگری میں تمھارا ہے وطن
یاد کرتے ہو اُسے نام اُسی کا لے لے
اور زیبا ہیں بہت آپ کے تن پر سیلے
واہ جوگی بھی بنے خوب ہو تم البیلے
کون سے پنتھ میں ہو کون گرو کے چیلے
کون سے روپ میں ہو کون سا رکھتے ہو برن

ہمکو جوگی جی بتا دیجئے یہ حال اپنا
تم جو بیراگی بنے اس میں نفع کیا ہے بھلا
اور مرشد سے تمہارے ہے تمہیں کیا پہنچا
نام کیا جوگ میں ہے تم کو گرو نے بخشا
دھیان کیا رکھتے ہو کس گیان کا رکھتے ہو چلن
ور شہوار جلا کر جو بنائی ہے بھبوت
اور کہوں تم کو بتاؤ یہ خوش آئی ہے بھبوت
عشق میں کس کے یہ اب تن پہ ملائی ہے بھبوت
کس لئے منہ کے اوپر تم نے لگائی ہے بھبوت
کس کی الفت میں یہ بیراگ کا پہنا ابرن
کس لئے جوگ لیا اور رنگا کپڑوں کو
کس پہ عاشق ہو دیا رنج یہ کس نے تم کو
کیونکر اوقات بسر ہوتی ہے یہ ہم سے کہو
کیا الم کھاتے ہو اور کس کی طلب رکھتے ہو
دھونی جل پان بھی یا یونہی کروگے لنگھن
نام پیغمبروں کے کفنی پہ لکھے سارے
اور گریباں میں ہیں نام خدا کے لکھے

تم تو کامل سے نظر آتے ہو اپنے لیکھے
ہم نے جوگی تو بہت یوں ہیں ہزاروں دیکھے
پر تمھارا تو زمانہ سے نرالا ہے چلن

ہم نے دنیا میں ابھی سیکڑوں دیکھے جوگی
دیکھے ہر رنگ کے ہر ایک برن کے جوگی
پر غرض تم سے نہیں دیکھے ہیں ہم نے جوگی
تم تو آتے ہو نظر ہم کو نئے سے جوگی
سچ کہو جوگ لیا تم نے یہ کس کے کارن

کیا ہوا جوگی جی تم کو بھلا ہم سے تو کہو
کیوں خجل خوار پڑے پھرتے ہو منہ سے بولو
کس لیے وحشی سے پھرتے ہو بتاؤ ہم کو
کس کی ہے یاد تمہیں کس کے لیے پھرتے ہو
اب کہیں بیٹھو گے یا یوں ہی پھروگے بن بن

کس لیے گھر سے تم آئے ہو بھلا اپنے نکل
پھرتے مانند صبا کیوں ہو بدشت و جنگل
تم سے اک بات کہوں اس پہ اگر کیجے عمل
گر کرو حکم تو ہوا دین تمھارا اتمل

شہر میں باغ میں یا بر لب دریائے چمن

یا کہیں اور بتاؤ کہ جہاں آپ رہیں

یا تو جنگل میں اگر دل لگے یہ آپ کہیں

یا کہ استھل کے بنا دینے کی تجویز کریں

یا کہ متھرا جو پسند آوے تو واں جا کر لیں

یا کہ در بن میں ہو یا بات تھا بندرابن

اور اگر یوں ہی پھرو گے تو یہ ہے مشکل سخت

استھل اک ہم جو بنا دیں تو زہے اپنے بخت

اس میں اچھا سا بچھا دیویں تمہارے لئے تخت

خاصے پھولوں کے لگا دیویں اس استھل میں درخت

جس سے آنکھوں کو طراوت رہے اور دل ہو مگن

اب تو جوگی جی کہا مان لو یہ تم میرا

ایک جا بیٹھ رہو اور کرو ہم پہ دیا

مت پھرو یوں جنگل و غوار بدشت و صحرا

جب تو سن کے یہ ہم نے کہا اس سے بابا

تجھ کو کیا کام فقیروں سے یہ کرنا ان بن

کیا غرض تجھ کو جو پوچھے ہے تو احوال مرا

جوگ کی پوچھے تو بس عشق میں یہ جوگ لیا
اور اس کی ہی جدائی میں پھرے ہیں ہر جا
اور وطن پوچھے ہمارا تو یہ سن رکھ بابا
یا گلی دوست کی یا یار کے گھر کا آنگن

مثل مرصر اسی کوچے میں پھرا کرتے ہیں
دیکھ دروازے کو بس شاد ہوا کرتے ہیں
خونِ دل جائے مئے ناب پیا کرتے ہیں
اس کے کوچے میں سدا مست رہا کرتے ہیں
وہی بستی وہی نگری وہی جنگل وہی بن

گاتے پھرتے ہیں سدا بین لئے کانہے پہ گیت
جو انیتوں کی ہے مدت سے وہی اپنی ریت
مخو پیتم کے ہیں جب سے کہ لگی اس کی پیت
پنتھ کی پوچھے تو جوگی نہ جتم کے نہ اتیت
عشق کے میل میں ہم پیتم کا رکھتے ہیں برن

آبلے دل میں جو الفت کے تھے سو پھوٹ گئے
جلنا تھا سال درا تب اسے لے لوٹ گئے
اقربا دوست تھے جتنے وہ سبھی چھوٹ گئے

جب سے اُس شوخ کے پھندے میں پھنسے لوٹ گئے
جتنے تھے مذہب و ملت کے جہاں میں بندھن

عشق میں چھوڑ کے ہم دنیا و دیں بیٹھے ہیں
خاطر آشفتہ و دلگیر و حزیں بیٹھے ہیں
چھوڑ سب عیش جہاں گوشہ گزیں بیٹھے ہیں
اسکے ہم در پہ پھنڈا سر کے تئیں بیٹھے ہیں
رات دن پیتے ہیں دھو دھو کے اسی گُرو کے چرن

خنجر عشق سے بس اپنا کلیجا ہے شق
ہے تو ظاہر ہے نشاں مُنہ کا بھی جو رنگ ہے فق
خوں میں آلودہ ہیں زخمی ہیں کہ جوں رنگ شفق
نام کو پوچھے تو ہے نام ہمارا عاشق
سب سے آزاد ہوئے یار کا لیکر دامن

حال بے باکی کا کیا اپنی بھلا تجھ سے کہیں
گر رہیں بھوکے تو ہرگز بھی کبھی غم نہ کریں
اور کھانے کو ملے تو بھی نہ کچھ شاد رہیں
گر رہیں جیتے تو جینے کی نہیں فکر ہمیں
اور مر جائیں تو ہرگز نہیں پروائے کفن

دیکھ نیرنگی زمانے کی ہوئے گل در گل
اور مل تن کو بھبوت اپنے گئے خاک میں مل
کپڑے رنگنے کو تو آساں نہ جان اے غافل
رنگ وہ رنگتے ہیں جس رنگ کا رنگنا مشکل
روپ وہ بھرتے ہیں جس روپ کا بھرنا ہے کٹھن
چھوڑا جنت کو جو آدم نے اسی کی خاطر
اور ہر ایک کے کی دم نے اسی کی خاطر
جی میں کی اپنے خوشی غم نے اسی کی خاطر
جوگ بیراگ لیا ہم نے اسی کی خاطر
سب کے تئیں چھوڑ اسی کی ہے محبت کی لگن
رنگے کپڑوں سے نہ کر ہم پہ تو جوگی کا گمان
ہم نے کیا جانے کیا کس لئے ایسا سامان
گر تو عاقل ہے تو پھر دل ہی میں اپنے پہچان
ہم میں اور جوگی کی صورت میں بڑا فرق ہے جان
کہاں جوگی کی ادا اور کہاں عاشق کی پھبن
آتش غم سے جلا جب سے جلایا دل و جان
تب یہ اکسیر ملی ہم کو تو شک اس میں نہ جان

تو تو عاقل ہے بس اب عقل سے اپنی پہچان
خاک ہے یار کے کوچے کی بھبوت اب ہر آن
ہم نے بھی راکھ بنائی ہے جلا کر تن من

سرخ آنکھوں کا جو پوچھے ہے کہ باعث ہے کیا
شوق مے کا نہیں کچھ ذوق نہیں افیوں کا
قدح بنگ سے نے عشق کبھی ہمکو ہوا
ہے محبت کے دھتورے کا جو آنکھوں میں نشا
اس کی گرمی ہی سے رہتے ہیں سدا سرخ نین

کوئی مونس ہے نہ غمخوار نہ ہے سنگ نہ سات
رہتا ہوں رنج میں مشغول سدا دن اور رات
اب خدا جانے کہ کس طرح کٹے گی اوقات
اور استھل کے بتانے کی کہی تو نے جو بات
یہ بکھیڑا وہ کرے جسکے کہنے ہو کچھ دھن

عشق جب سے کہ ہوا ہے ہیں اس اچپل سے
جب سے بے تاب پھرا کرتے ہیں اور بے کل سے
ہم سے بے کل بھی نہیں بیٹھے ہیں اک جا کل سے
ہم فقیروں کو بھلا کام ہے کیا استھل سے

وہی استھل ہے جہاں مار کے بیٹھے آسن
خواہش زر نہ کریں اور نہ کسی سے مانگیں
تخت اور چتر کی بھی کچھ نہیں پروا ہے ہمیں
گوکل اور متھرا کے رہنے کی تئیں حرص کریں
جا پڑیں یاد میں اُس شوخ کی جس بستی میں
وہی گوکل ہے ہمیں اور وہی ہے بندرابن
جب سے جوگی ہوئے دی اُس کو متاعِ دل و جان
چھوڑ بیٹھے سبھی آرام کا جو تھا سامان
حاجتِ تکیہ ہے نے خواہشِ بستر نہ مکان
جا پڑے خاک پہ رکھ سر کے تلے ہاتھ جہاں
ہے وہی فرش وہی تخت وہی سنگھاسن
ہے خیال اُس گل رخسار کا ہر شام و پگاہ
باغ باغیچہ کی ہرگز ہے نہیں ہم کو چاہ
چاہ ہے چاہ ذقن کی نہیں در کار ہے چاہ
پھول پھلواری کی بھی جب سے نہیں کچھ پرواہ
جب سے گل کھا کے محبت میں جلایا ہے بدن
رہتا ہوں مضطر و مغموم میں ہر دم حیراں

ہوش گم کر وہ پھرا کرتا ہوں اور بے سامان
باز آ ظلم سے اور جور سے تو حق کو مان لو
اب تو اُس حال کو پہنچا ہوں ترے ہجر میں جان
اے گل باغ وفا دل کے چمن کے گلشن
کہیں کہتا ہے جو احوال مرا کوئی ذرا
سر کو دھنتا ہے ہر اک پیر و جوان اور لڑکا
گھر میں رہتا ہوں تو روتا ہے ہر اک خویش اپنا
گھر سے باہر جو نکلتا ہوں تو منھ دیکھ مرا
مرے احوال پہ بھی روتے ہیں جنگل میں ہرن
خاطر آشفتہ میں سا پھرتا ہوں حزین و دلگیر
عشق میں اُس کے سبھی کھو چکا عزّ و توقیر
پھرتا ہوں گلیوں میں دیوانہ سا ہر روز فقیر
کیا کہوں اب تو گزرتی ہے جو کچھ مجھ پہ [illegible]
دل من داند و من دانم و داند دل من



(٣٧) جوگن نامہ

ہائے اُس الفت ظالم کا بُرا ہے یہ چلن
چھوٹتی ہی نہیں لگ جاتی ہے جب وقت لگن
چار و ناچار اُٹھانے ہی پڑے رنج و محن
در فراقِ رُخ پُر نور تو اے غنچہ دہن

دیدہ باید کہ چگونہ شود احوال من

ہجر نے اب تو نہایت کیا بے دم مجھ کو
پھرتی ہوں خشک بگولے کے ہیں ویراں ہر سو
اے مرے ماہ جبیں اے مرے ہمدم گل رو
کون سے شہر میں ہے کون سی جا پر ہے تو

اے مرے ہمدم جاں اے مرے جان و تن من

دلِ صد چاک مرا چاک گریباں میرا
مثل دریا کے رواں دیدۂ گریاں میرا
برق کی طرح تپاں یہ دل سوزاں میرا

دیکھ ٹک آن کے یہ حال پریشان میرا
کہ ترے ہجر میں کیا کیسا نہ سہا رنج و محن
میری جیسی ہے کرے حق نہ کسی کی اوقات
جو سنی بھی نہ تھی گا ہے وہ وہ دیکھی آفات
ہئے افسوس صد افسوس ہئے حسرت ہیہات
زار زار اب تو پڑا ہجر میں رونا دن رات
زندگی ہو گئی دو بھر مجھے اور جان کٹھن
خانماں و طرب و عیش و زر و مال و خوشی
اک تجھے یاد رکھا سب کے تئیں بھول گئی
ہائے جس وقت لگی آنکھ وہ کیسی تھی گھڑی
شہر بھی چھوڑ دیا دیس سے پردیس ہوئی
ہجر نے کر دیا آخر ترے مجھکو جوگن
سرخ آنکھیں ہوئیں الفت کے نشے سے رنگین
پہن کر حلقۂ بگوشی کے بھی مندرے دو تین
تو نہ کر وسعت دعا کا پڑی پھرتی ہوں حزین
پیرہن گیروا رنگے ہوئے کاندھے پہ بین
من کے منکوں کی بنا ہاتھ میں پہنی سمرن

کھوئے پھرتی ہوں سب آرام کو ہرجائی میں
ڈھونڈھتی ہوں تجھے گل فام کو ہرجائی میں
گاتی پھرتی ہوں اسی کام کو ہرجائی میں
جپتی پھرتی ہوں ترے نام کو ہرجائی میں
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہوں او ترہین نین

ناتواں ہوگئی اور جسم میں باقی نہیں دم
رکھو ٹک آکے کبھی اس دل مضطر پہ قدم
ہوگئیں خشک رگیں سیلیوں سے ہیں نہیں کم
گیروا ساری ہے اور جا ہے بھبوت اے ہمدم
خاک اُڑا اُڑ کے پڑی تن کے اوپر سو من

یہی دل ہے کہ ہوا تھا نہ کبھی بھی غمناک
وہی دل ہے کہ ہوا تیغ جفا سے صد چاک
آگ لگ جائیو اس پیت میں جلیو یہ تپاک
سیس کے بال تھے سنبل سے جبی جس میں خاک
خاک میں مل گیا تھا یہ جو چندر ماں سا بدن
پھوڑ کر پتھروں سے کر دئے سر کے ٹکڑے
اسے تو ہے کہاں اے میرے قمر کے ٹکڑے

آ ادھر دیکھ مری ٹوٹی کمر کے ٹکڑے
جیب کے بدلے میں کرتی ہوں جگر کے ٹکڑے
نہ تو بستی ہی خوش آتی ہے نہ کہسار نہ بن
میں نے کیا کیا نہ سہا آہ تری الفت میں
ایک دیوانی پڑی پھرتی ہوں میں وحشت میں
ناگہاں آ گئی اک مفت کی میں آفت میں
سیس کے بال کھسوٹوں ہوں گھڑی فرقت میں
خاک اڑاتی پڑی پھرتی ہوں بصد رنج و محن
ساری پت میری گئی اے مرے ساجن تجھ پر
مال و زر وار دیا اور تن و من تجھ پر
ایک حیران پڑی پھرتی ہوں برہن تجھ پر
چھوڑ کر ماتا پتا کو ہوئی جوگن تجھ پر
لیک تو ہی نہ ملا اے مرے جوگی ساجن
اپنے بیگانوں نے کر ڈالا ہے مجھ کو پامال
اور ادھر تیری جدائی میں ہوئی جاں وبال
خاک کا بھی نہیں وہ حال جو ہے میرا حال
اقربا کی بھی نظر سے گری اشکوں کی مثال

باپ اور ماں کا ترے واسطے چھوڑا دامن
نہ تو کچھ دیں کی خبر اور نہ دنیا سے ہے کام
سارے کاموں کے تئیں بھول گئی اے گل فام
دل گیا جان گئی اور گیا عیش و آرام
گھر گیا دیس گیا ہو گئی جگ میں بدنام
اک سہیلی ہے مری آہ بس اور سب دشمن
یاد میں بیٹھ گئی جس جگہ میں آسن مار
دل کی کھونٹی کو مروڑا تری جانب کو سدھار
نالۂ موزوں کے بس کر کے سروں کو طیار
جگر و تن کی بنا تونبی بس اور آہ کے تار
بین کو غم میں بجاتی پھری بن بن بن بن
کون سی بات تھی جو واسطے تیرے نہ کری
پہلے بھی باندھ کے سب تیا پوجا بھی درگاہ میں کی
دیس پردیس پھری جو بنی میں لوگوں کے پڑی
پوچھا ایک ایک سے تجھ کو میں بصد حیرانی
لیک تیرے ہی کسی طرح نہ پائے درشن
جا کے متھرا میں رہی اور بڑا پوچھا تجھ کو

کاشی میں بیٹھ رہی لیک نہ پایا تجھکو
گنگا اور جمنا کے تیرتھ پہ بھی مانگا تجھکو
کون سی جا تھی کہ جس جا پہ نہ ڈھونڈا تجھکو
پورب اور پچھم و اُتر سے لگا تا بہ دکن
اب تولاچار رہوئی اور تری بے چین ہوئی
ہجر کے درد و الم میں جلا جاتا ہے جی
تا کہ اب ڈھونڈھنے سے کوئی بھی جا گہ نہ رہی
اب فقط ملک عدم مجھکو رہا ہے باقی
سو بھی کچھ دور نہیں اور نہیں راہ کٹھن
ہوگئی جان کی لیوا تری الفت بیری
مرگ نے کرتی ہے سامان محبت یہ سبھی
کوئی دن میں تو یہ تن پنچھو نکل جائے گا جی
رحم کر مجھ پہ کہاں تک سہوں فرقت تیری
دیکھ اس جان پہ کیا کیا سہا تیرے کارن
روح ہونٹوں تلک آجاتی ہے گھبراتی ہے
لیک امید ملاقات میں پھر آتی ہے
غم یہ پھٹتی مرے سینے کی اب چھاتی ہے

آہ کے ساتھ مری جان جلی جاتی ہے
اب اٹھا سکتا نہیں بارِ مصیبت یہ بدن
یاد کر کر کے تجھے دیدہ تو رو دیتا ہے
جو مجھے دیکھتا ہے روتا وہ رو دیتا ہے
دیکھ ہر ایک مری سمت کو رو دیتا ہے
جو مرے حال کو دیکھے ہے سو رو دیتا ہے
ہوش لوگوں کے اڑے جاتے ہیں سن میرا سخن
سر کو کہسار سے ٹکراتی ہے باد صبا
جانور دیکھیں ہیں حیرانی سے بادیدۂ تر
در و دیوار مرے حال تر پہ ششدر
سر کو دھنتا ہے مرے حال پہ ہر ایک شجر
میری بے چینی سے بے چین ہیں شیراد رہرن
جبکہ تجھ بن یہ ہوا مرے اپر رنج و تعب
ہر کوئی کہنے لگا ہائے غضب ہائے غضب
اڑتے اڑتے مری خبروں کا فسانہ ہوا جب
اک دل آباد ہے بستی وہیں جاتے ہیں سب
اس میں اک راجہ مہاراجہ کا ہے سنگھاسن

نامی و نامور اور خلق میں عزت والا
جس کے تابع ہیں ہر اک شاہ سے لے تا بہ گدا

ہے حقیقت میں جہاں مرضی پہ اسکی سارا
عقل کل نام کیا کرتے ہیں اس کا راجا

دیکھ کر مجھ کو وہ کرنے لگا اس طرح سخن
واہ وا بھاگ مرے میں نے جو دیکھا تم کو

تم سے الفت ہے ہمیشہ سے ہمارے دل کو
میں تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کہیں مجھ سے ملو

آؤ ہی بیٹھو مرے گھر میں قدم رنجہ کرو
کر دو روشن مرے کاشانے کو تک رکھ کے چرن

ہم تمہیں جانتے ہیں اور بزرگوں کو سب
سب بزرگ آپ کے رکھتے ہیں ہماری ہی طلب

ہم کو بھی لوگوں سے ہے ربط محبت کے سبب
ہم کو معلوم ہوا آپ کا سب حسب و نسب

عشق نے تمکو بنایا ہے بہ شکل جوگن
ہے عزیز آپ کی خاطر بڑی ہم کو دل میں

اس سے سمجھاتے ہیں اب مت رکھو غم کو دل میں

کیوں اُٹھا رکھا ہے اس جور و ستم کو دل میں
جانے دو راہ نہ دو رنج و الم کو دل میں
باغ کی سیر کرو اور رہو محو گلشن
محفل عیش بنا کر رہو آنکھوں کے حضور
باغ دنیا کی کرو سیر جو ہو دل کو سرور
کیسے کیسے ہیں گل اندا موں کا دیکھو تو ظہور
یا دکو اس رُخ تاباں کی کرو دل سے دور
کون سی بات کی کمتی ہے تمہیں صاحب من
تم بھی سردار ہو ذی ہوش ہو ٹک غور کرو
ایک ہی شخص پہ مرجاتے نہیں جاں کو کہو
سیکڑوں ماہ جبیناں ہیں ہزاروں خوش خو
تن سے بس گیروی کفنی کے تئیں دور کرو
پہنو پوشاک شہانہ رکھو خوش دل اور من
شانہ لو ہاتھ میں اور اپنے یہ سلجھاؤ بال
سرمہ دو آنکھوں میں اور دیکھو یہ قدرت کا خیال
دل کو بہلا کے بھلا دو یہ سبھی رنج و ملال
تم پہ اس طرح کا ہے نام خدا حسن و جمال

کہ ہیں خلق کے دلبر سبھی دہو دہو کے چرن

دل کو مسرور رکھو اور رہو شاد اور خوش
شیریں باتیں کرو اور شکل بناؤ دل کش
کہ ہر ایک شخص کو آجائے تمہیں دیکھ کے غش
نہ کہ تم اوروں پہ اس طرح پھرو وحشی وش
جانے دو دور کرو دل سے یہ الفت کی لگن

آدمی رنج سہا کرتا ہے اِن باتوں میں
جان کو کھوتا پھرا کرتا ہے اِن باتوں میں
سب کی نظروں سے گرا کرتا ہے اِن باتوں میں
نام بدنام ہوا کرتا ہے اِن باتوں میں
خوب ہم دیکھ چکے ہیں کہ برا ہے یہ فن

خوب حُسن حُسن کے میں حیراں رہی مُنہ کو تک
اور مایوسی و مظلومی سے دیکھا بہ فلک
گفتگو حد سے زیادہ ہوئی بس اور یک بیک
تب تو وہ حال ہوا جیسے جراحت پہ نمک
وعظ کے تیروں سے پہلو ہوا چھلنی چھن چھن
سب کو روشن ہے بڑی ہوتی ہے یہ بیت لگی

میں بھی کہتے ہی سے آخر کے تئیں رہ نہ سکی
دل میں غصہ تو بہت آیا د سلے رو ک گئی
زار زار آنکھوں سے رونے لگی اور کہنے لگی

ہے بعید ایسے خردمندوں سے یعنی یہ سخن
آپ تو جانتے ہیں پیت بلا ہو تی ہے
خوب معلوم ہے تمکو کہ یہ کیسا ہوتی ہے
رہے خاموش طبیعت یہ خفا ہو تی ہے
واہ جی یوں بھی لگی دل سے جدا ہو تی ہے

عشق میں کس کے تئیں بھاتی ہے سیر گلشن
عیش کب بھاتا ہے جب تک کہ نہو یار حضور
گل رخسار بغیر باغ سے کب ہووے سرور
اس سوا کون ہے بہتر کہ وہ میں دیکھوں ظہور
اپنے کیا بس میں ہے جو دل سے کروں رنج کو دور

اپنے قابو میں ہے جو دور کروں رنج و محن
ہاں خاص اس لئے ہیں مجھکو یہ منظور نظر
کہ بہاریں کبھی راہ اسکی جو وہ آئے ادھر
یہ تمنا ہے یہ آنکھیں گریں اُن قدموں پر

بات کے کرنے سے ہے آہ کا کرنا بہتر
جلیو یہ تن جو خوش آئے اسے خوش پیراہن
میرا وہ رشک قمر کون ملا دے مجھ سے
میرا وہ تیر نظر کون ملا دے مجھ سے
میرا متوالا نگر کون ملا دے مجھ سے
یا خدا میرا جگر کون ملا دے مجھ سے
کون جا کر کہے میں پھرتی ہوں بے شہر و وطن
خوش ہوں اس غم سے کہ یہ یار کے باعث سے ہوا
ننگ و ناموس بھی سب اس پہ سے ہے وار دیا
سر ہتیلی پہ دھرا عشق میں جب پاؤں رکھا
جان کا بھی نہیں جب پاس تو پھر پاس ہے کیا
جو کہ سمجھائے مجھے اس کا ہے دیوانہ پن
نام پر تیرے میں اس جان کے تئیں کھوتی ہوں
تیری صورت پہ میں قربان کھڑی ہوتی ہوں
خون دل روتی ہوں عارض کے تئیں دھوتی ہوں
تھام تھام اپنے کلیجے کے تئیں روتی ہوں
دیکھ رہتی ہوں ہر اک شخص کو حیران بن بن

جو نہ سہنا تھا سہا رنج بہت کھایا ہائے
ایک ارمان رہا دل کو بہت سارا ہائے
یعنی تونے ہی نہ دیکھا یہ مرا چلنا ہائے
اب تو بے تابی سے گھبرا گیا دل میرا ہائے
ڈوب کر مر رہی رہوں بر لب گنگ و جمن

کس کو دکھلاوں جو گزرے ہے تری الفت میں
کچھ مرے بس کی نہیں پھنس گئی اک وقت میں
نام بدنام ہوا فرق پڑا عزت میں
ایک دیوانی سی پھرتی ہوں تری فرقت میں
عرش سے فرش تلک حال ہے میرا روشن

بس سے میں جل کے کہوں کوں ہی جا ہے تیری
کبھی بے تابی سے بیٹھوں کبھی ہوتی ہوں کھڑی
کبھی ہو محو تصور یہی کہتی ہوں آجی
سیس کے بالوں سے میں راہ بہاروں تیری
جو قدم رنجہ کرو اور مجھے دو درشن

کبھی رو دیتی ہوں آنکھوں سے بہ شکل دریا
کبھی گاتی ہوں ترے نام کو لے لے کے پیا

کبھی منہ پیٹ لیا جیب کبھی چاک کیا
آرزو یہ ہے کہ میں سو جاں سے ہوں تجھ پہ فدا
دیکھے ٹک آن کے تو بھی تو مرا جوگن پن
تو کہیں اور میں کہیں اس سے تو مر ہی جاؤں
اے مرے ماہ جبیں اس سے تو مر ہی جاؤں
تجھکو بھی ہووے یقیں اس سے تو مر ہی جاؤں
تاب جینے کی نہیں اس سے تو مر ہی جاؤں
ہے جدائی کی نپٹ مجھ پہ مصیبت کٹھن
یا الٰہی کوئی مجھ سا بھی نہ ہووے دلگیر
خجل و خوار پریشاں و ذلیل اور حقیر
طور بے طور نظر آتے ہیں ہوں لبکہ نظیر
حسرتا آہ چہ بینم بغم یار شریر
من حزین در غم او خلق حزین از غم من

(۳۸) موتی

رہے ہیں اب تو پاس اس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پر موتی اور سر میں موتی مانگ پر موتی

ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اچھلتا ہے
کوئی بندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ہلتا ہے
لپٹ کر دھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہے کوئی بالی میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت
کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
ادا دھڑی کچھ مسی کی اور کچھ اس پر پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت

ادھر لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجان ادھر موتی
کبھی جو بال بال اپنے میں وہ ملوتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن بھی موتی سرتا پاؤں سے بیٹھے بھی ہوتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی
گلے میں اسکے جسدم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں
چمن کے گل سب اسکے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطرات شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشک قمر موتی
وہ زیور موتیوں کا واہ اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اس پر موتیا کے ہار بازو بند اور گجرے
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اس کا
جو کہتا ہوں ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی
کڑے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں

تو پھر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اس کے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اس کی کفش پہ موتی

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وُو
تو اس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
و یا ابرِ گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے
بیاں ہو کس طرح سے آہ اس عالم کو کیا کہیے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیونکر نہ پڑا دوں سے بوسوں کے نہوں لوٹنے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر وارنے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہے الفت لگی رہنے

نظیرؔ اس ریختہ کو سن وہ جنس کریوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(۳۹) خمسہ بر غزل حافظ

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں خراب آلودہ
طاعت کرنے سے رہتا تھا حجاب آلودہ
اہل تقوے کا سمجھ دامنِ آب آلودہ
دوش رفتم بدر میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو داں مجھکو اٹھا دوش بدوش
جاتے ہی در پہ گرا پیر مغاں کے مدہوش
دیکھ کر مجھ کو پڑا خواب میں غفلت کے خموش
آمد افسوس کناں مغبچہ بادہ فروش
گفت بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ
جب میں جاگا تو کہا اس نے بہ شیریں سخنی

یعنی ہے جاں تری عشق مجازی کی بنی
دور کر دل سے یہ اُلفت جو ہے خوباں کی جنی
دیدوا ے لب شیریں دہناں چند کنی
جوہر روح بیاقوت مذاب آلودہ
اے ہوس ناک یہ ہے میکدہ قدس مقام
بیٹھے مستان ازل کرتے ہیں یاں شرب مدام
تو بھی وہ ہے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام
شست وشوئے کن و آنگہ بخرابات خرام
تا نگردد ز تو ایں دیر خراب آلودہ
گر تجھے عشق حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق
تو تو سیکھ آن کے یاں اہل طریقت کا طریق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
آشنایان رہ عشق دریں بحر عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بآب آلودہ
یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آکے شنا
یہ تو ہے معدن انوار و یقیں صدق و صفا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرق ریا

پاک صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آ
کہ صفائی ندہد آبِ تراب آلودہ

ہم تو پھرتے ہیں فقط بیٹھا عشق میں اِک خانہ بدوش
کل عجب طرح کا اِک نکتہ ہوا گوہر گوش
کچھ جو حافظ نے کہا یار سے ہو دوش بدوش
گفت حافظ بر ایں نکتہ بیاراں مفروش
آہ ازیں لطف بانواع عتاب آلودہ

(۴۰) اکبر آباد

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں — کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرہ میں بہت ہم نے خوبیاں — ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں
ہر صبح اسکی رکھتی ہے وہ نورِ گستری — شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ رشکِ ملاحت سے ہے بھری — لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پر بہار عمارات پرنگار   بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گلعذار   گلشن کہیں ہیں آپ کو گلزار پر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا بیاں کرے   دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ایدھر کو قہقہے ہیں تو اُدھر کو چہچہے   اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات   دیکھے تو پھر نبات سے بن آوے کچھ نہ بات
شہداں پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہے گھات   قند و شکر بھی دل سے فدا ہیں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

نہر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر   لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جس کی لہر
کوئی نہا وے اور کوئی منہ دھو وے شاد بہر   اس پہ ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گرداب کے پھیرنے کا کروں وصف میں رقم   تو بحر صفحہ پیچ سے لگے پھیرنے قلم
پھیریں ہیں اس روش کی کہ ماہ و ان سے ہو بہم   سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا   لہریں نشاط و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنارہ کچھ عشرت کے بحر کا   ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا

ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحرِ بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام　　ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام
ہر طور خوش رہے ہے دل و طبعِ شاد کام　　میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام

ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں



فرهنگ

۶- فرہنگ

۱- آگہی نامہ

ٹھاٹھ- سامان، انتظام
ہوحق- نیست نابود- فنافی اللہ
خبیثات- بدروحین
سماوات- آسماں
کشف- پوشیدہ حالات جاننا
کرامات- خلاف عادت باتیں کرنا معجزہ
مستور- پوشیدہ
خسرہ- پٹواری کا کاغذ و سند

زنار- جنیو
قلندر- آزاد
گھاتے- مشہور
آگے- پیشتر
طور- قسم
وفائی- وفادار
ٹک- ذرا
ایہام- ایک صنعت شعر کا نام

۲- برسات کی بہاریں

ڈابر- چشمے
ڈونڈ- جوش مارنا

امنڈ- جمع ہو کر غل کرنا
جھڑ- پیہم برسنا

گھمنڈ ۔ یکجا ہونا۔ جمع ہونا	جنگلے ۔ جنگل
ٹکوریں ۔ ٹکریں	سنگ ۔ ہمراہ
ملار ۔ برسات کا گیت	اسارا ۔ چھپر کا دالان
نراٹل ۔ بیہودہ آواز	دوانا ۔ پاگل ۔ دیوانہ
سیج ۔ بستر	اٹاری ۔ چھپر کا بالاخانہ
سوھین ۔ زیب دینا ۔ سجنے	نداں ۔ آخرکار
ابرن ۔ پوشاک	کیڑا ۔ سانپ
سوگن ۔ فرقت زدہ	گھلاوٹ ۔ حسن
برہا ۔ دردِ فرقت	چھک ۔ پست
برھن ۔ مہجور عورت	کھوئی ۔ بورئے کی چادر
سدلا ۔ خبر	نکھٹو ۔ نالائق
امڈی ۔ بھری	کنے ۔ پاس
ماروجی ۔ جنگجو معشوق	رت ۔ موسم
رین ۔ رات	اکس ۔ اٹھنا

۳ ۔ بنجارہ نامہ

بدایس ۔ پردلیس	گونین ۔ جمع ہے گون کی بمعنی بدری بوری

پلا ــ تھیلا، ترازو کا پلا

سربھارا ۔ سر پر رکھنے کا تھیلا

لکھی ۔ لکھ پتی

چترا ۔ بہتر

داکھ کشمش

کیسر ۔ زعفران

دھن ۔ دولت

ناتی ۔ نواسہ

ڈانڈ ۔ لاؤ لشکر

بھانڈا ۔ بھرم، دکھاوٹ کا سامان

کھانڈا ۔ غالباً کسی پرانے ہتھیار کا نام ہے

نایک ۔ سپاہی، جان، روح

ھانڈا ۔ سپاہی، پھرنے والا

ڈھل ۔ گرپڑنا

دھی پوت ۔ ہونہار فرزند

جنوائی ۔ داماد

کھپنی ۔ تباہ ہونی، برباد ہونی

چوپاری ۔ بالاخانہ کا کمرہ جس میں چار کھڑکیاں ہوں

بان ۔ تیر

تاش تمامی ۔ ایک قدیم کپڑا

کوٹ ۔ عمارت، محل

رانڈ ۔ دیوار قلعہ کے موکھے

گڑھا ۔ چھوٹا قلعہ

رھکلہ ۔ چھوٹی توپ

دائی ۔ دودھ پلانے والی، رضاعی ماں

ددا ۔ کھلانے والی

چیلا ۔ شاگرد

ھنگا ۔ چھوٹے سے چھوٹا کیڑا

۴ ۔ عاشق نامہ

نیرنگ ۔

نت ۔ ہمیشہ

سراہیل ۔ راۓ بیل

سبیل ۔ نام ہتیار، بھاری بوجھ

حال ۔ عالم بیخودی، وجدان

حرم ۔ کعبہ، مسجد

پوتھی ۔ مقدس کتاب

سماچار ۔ حالات، روایات، مضامین

وار ۔ اس کنارے پر

سمرن ۔ تسبیح

بھوگی ۔ عیاشی، غنی

سوگی ۔ مجبور، زحمت زدہ

بیکنٹھ ۔ جنت

سکھات ۔ خوشی، سکون

مرگانگ ۔ کشتہ

ڈانگ ۔ ال، سہارا

تھانگ ۔ نقب

مایا ۔ مہر شفقت

۵۔ آدمی نامہ

بینوا ۔ محتاج

گمانا ۔ مشہور

بر ملا ۔ کھلم کھلا

حسن ۔ نیکی، اچھائی

قبح ۔ عیب

شاطر ۔ فریبی، چالاک، برا

ھادی ۔ رہنما

امام ۔ پیش نماز، پیشوا

تاڑنا ۔ پہچاننا ۔ بھانپنا

نقیب ۔ اعلان کرنے والا

چاکر ۔ نوکر

مزدور ۔ مزدور

جا ضرور - پاخانہ | شنگ - طرحدار
داڑھے - بھیڑے | ہمسایہ - شاگرد

ہنس نامہ

سمبو - سفید رنگ
طور - قسم
سنوارا - بنایا، سجایا
چاہت - محبّت
چنگ - ایک ایرانی باجے کا نام ہے
سیمرغ - رخ، ہما، عنقا، موسیقار / فنکس کی طرح رومان کا پرند ہے
مدارا - خاطر مدارات
بٹونکے - بڑی ناک کا ایک پرند
غش - بیہوش
کھبی - پسند آئی
چھابیو - شرمیلی

جھپ - فوراً
ہوی - بیہودی
وارا - نثار کیا
پیت - محبّت
سہارا - برداشت کیا
پنکھ - پَر
پسارا - پھیلایا
کوارا - مضبوط
رہسے - کیفیت، راے
نو بالا - نباہ
سدھارا - روانہ ہوا

۷۔ روضۂ تاج گنج

گمٹیان ۔ چھوٹے گنبد
اساس ۔ مضبوط
باس ۔ خوشبو
مجھر ۔ جالیاں

سہاگ ۔ تازگی، شگفتگی
مجلیٰ ۔ چمکدار
سروسہی ۔ سیدھے سرو
سنکو شکن ۔ خوش آواز

۸۔ تندرستی نامہ

حرمت ۔ عزت
سدا ۔ ہمیشہ
چلن ۔ چال چلن
تئیں ۔ واسطے، کو، لئے
میری ۔ سرداری
عین ۔ مخصوص
سراسر ۔ بالکل

نبالا ۔ بسر اوقات
بنے ٹھنے ۔ خوبصورت، سجے ہوئے
بنے ۔ دولہا
وو ھیں فوراً، اسی دم
سو ۔ وہ
تن ۔ بدن
کل ۔ مشین

کل - آرام

چل بہ چل - بیکار

۹۔ ذکرِ مرغان

بھتون - خدا۔

سانجھ - شام

سویرے - صبح

بیچون - خدا جس کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

تپتے - جلتے

کلپتے - تڑپتے، بیچین رہتے ہیں۔

چلپتے - دہراتے ہیں

دادر - مینڈک

تخم - بیج

پنکھی - پرند

۱۰۔ افنامہ

افسر - تاج

سرور - سردار

ڈھائی - حکومت

مورچہ - محفوظ مقام قلعہ

سنگر - لشکر

جھپان - ایک قسم کی عماری نما پالکی

میگ ڈمبر - ایک قسم کی گاڑی

مہر چھاپا - حکم، عمل

فوجدار - افسر پولیس کا عہدہ دار

کٹک - زبان مارواڑی میں لشکر کو کہتے ہیں۔

خاصہ - مخصوص

جلیب - چلنے والا

مرمر - بہ مشکل

لبیدکا - سونٹا، آلۂ ایذا

مردھا - مردھہ، دس جوان کا افسر ایک عہدہ دار جو سرکار کی طرف سے دیہاتیوں پر مقرر کیا جاتا ہے۔

چیرہ - ایک قسم کا صافہ

جمدھر - ایک قسم کا خنجر

خود - لڑائی کے وقت سر کی پوشش

سلاح - ہتیار

بکتر - زرہ، لوہا کا بنا ہوا جامہ

گنڈا - بدمعاش شہدا

بانکا - رنگیلا سپاہی وضعدار

سپر - ڈھال

بچارے - سوچے

سبد - شبد نانک شاہیوں کی اصطلاح میں گیت کو کہتے ہیں

وید - اہل ہنود کی مقدس کتاب۔ یہ چار ہیں

پران - ہنود کی ایک مقدس کتاب کا نام ہے

مصر - عالم

نویلے - نئے

جنگم - ایک قسم کا فقیر جس کے سر پر جٹائیں ہوتی ہیں اور ہاتھ میں سونٹا۔

سیوڑا - جین مذہب کا فقیر

جٹا - بالوں کا گچھا

بانکا - چھیلا

گبر۔ آتش پرست۔ | نقاش۔ صورت گر

۱۱۔ طفی

منت۔ مراد | اونٹتے۔ پھیلاتے
دون۔ ویسے، ہر طرح | کھسونٹتے۔ کھینچتے
بگڑنا۔ خفا ہونا | سلونا۔ نمکین
گھرنا۔ قید | بھونپو۔ منہ سے بجنے والا باجا

۱۲۔ جوانی

دنگ۔ حیران | نین۔ آنکھ
پھندے میں۔ گرفتار | سیف۔ تلوار
معجون۔ نشہ کی ایک شے ہے | چاؤ۔ آؤبھگت، خوشی
گل۔ زخم | بھاؤ۔ نرد کرنا
سین۔ اشارہ، آنکھ کا اشارہ | چھل بل۔ نخرے ادائیں

جون ۔ مثل	پن ۔ زمانہ، عالم

۱۳۔ بُڑھاپا

کنے ۔ پاس	لگاوٹ ۔ محبت، تعلق
برِکھ ۔ درخت	چاہت ۔ محبت
پت جھڑ ۔ خزاں	لت ۔ عادت
ادھورے ۔ بیکار، لاچار، اپاہج	ڈھاک ۔ ایک ہندوستانی پیڑ کا نام ہے
لنڈورے ۔ بے دم ۔	پات ۔ پتّہ
پھکڑی ۔ فضیحت	بھبوکے ۔ سفید، گورے
مت ۔ عقل	چاؤ ۔ محبت، نوازش
جگت ۔ پھبتی	

۱۴۔ فقیروں کی صدا

بٹ مار ۔ رہزن	من ۔ طبیعت، قلب ۔ دل
بس ۔ قابو	باج چکا ۔ بج چکا ۔

پُن - خیرات

دان - خیرات

بھاجی - مرنے کا کھانا جو اعزا کرتے ہیں

ناکندا - وحشی، بد لگام

ہلکان - پریشان، نیم جاں، پژمردہ

لاگھ - دلچسپی، حرص

کرنی - افعال، اعمال

سُکھ - آرام

چنتی - گھلاتی ہے

آنند - آرام

پھندا - کروفریب

ارتھی - جنازہ

ہستی - ہاتھی

اسواری - سواری

۱۵ - خوشامد

ڈھب - ڈھنگ، انداز

بیچ - اندر

سروکار - تعلق

آشنا - شناسا

خرابی - بد

پیر - مرشد، ولی

۱۶۔ کلجگ

کرجگت۔ جائے عمل، جائے مکافات
بسیکھا۔ شمار، شناخت
تن۔ اصل
پریکھا۔ تنقید، پرکھ، پہچان
تل تل۔ ذرہ ذرہ
لیکھا۔ تحریر
پُڑا۔ محلہ

چیتے۔ چاہے
کل۔ آرام، چین
کلپاوے گا۔ دکھ دے گا
آن۔ ذرا سی دیر
طوفان۔ بہتان
جاگہ۔ جگہ، مقام
باک۔ خوف، ہشیاری

۱۷۔ مفلسی

چپاتی۔ شرمندہ کرانی
آن۔ حمیت، غیرت
ست۔ طاقت، خیر و برکت
گذر گئی۔ مرگئی

پھکڑیاں۔ خواریاں، ذلتیں
جھکڑیاں۔ خاردار درخت
پرے۔ دوسری طرف، منہ پھیر کر
کلا نوٹ۔ گویا

گوری ۔ ایک راگنی کا نام ہے۔	ٹھٹول ۔ مذاق
بھیاس ۔ ایک راگنی کا نام ہے	چدرما ۔ چادر
بول بول ۔ منت مان کر	نجابت ۔ حسب نسب کی درستی
حلال خوری ۔ مہترانی ۔	ندان ۔ آخرکار ۔

۱۸۔ معجزہ حضرت علی علیہ السلام

بنی ۔ جنگل	منحوس ۔ بدبخت
جنی ۔ پیدا کرنا	قدیم ۔ سلف، ہمیشہ سے
جیب ۔ زبان	کھپاتی ۔ زائل کرتی
عنقریب ۔ قریب	کرم بھاد بخشش کرنے والا محسن
بجبخا ۔ آواز	ناتمام ۔ عاجز

۱۹۔ دوالی

دیا ۔ چراغ	گنڈے ۔ پانچ کوڑی
کھلونے، شکر کے کھلونے	گروں ۔ رہن

نکّی موٹھ - ایک قسم چوسر کی
نرد - چوسر کی گوٹ
نزار - تباہ حال
ازار - پاجامہ
نوگرھی - ایک زیور کا نام ہے
گھڑوے - ملامت

جھونٹے - بال
خنڈی - چھنال
فیر - نشانہ لگانا
آڑے آنا - دستگیر ہونا
ٹھانیو - اختیار کرنا
بکھانیو - بیان کرنا

۲۰- حضرت سلیم چشتی

دو جہاں - دنیا و عقبیٰ
عرفان - تصوف، خداشناسی
لوا - جھنڈا، علم
مقتدا - پیشوا

مسلّم - ثابت
سالک - چلنے والے، شاگرد
تفاوت - فرق
دوجگ - دو جہاں

۲۱- ہولی کی بہار

دف - ایک ایرانی باجا، ڈھول

دمکنے - روشن، چمکدار

چھکتے - مست
ٹھنگ - آواز، سُر
منہ چنگ - ایک منہ سے بجنے کا باجا
خوبون - معشوق، حسین
ڈوبوں - شرابور
بھوئیے - بھانڈ، بھاؤ بتا کر ناچنے والے لونڈے

چھکوڑ - ہنگام
پھکوڑ - بدلگام، یاوہ گو
لکڑ - لکڑی کا بڑا موٹا ٹکڑا جو آگ کے لئے سلگتا ہے
لت پت ہلڑ - شرابور، لسا ہوا، غلطاں

۲۲- نانک شاہ گرو

اگاہ - عارف
جگ - دنیا
سیس - سر
نوا - جھکا کر
ارداس - عرضداشت
وچ - بیچ
دھیان - خیال

سیوک - خادم، پرستار
کاج - خواہش، آرزو
من - دل
گھنے - ہاتھ پکڑتے، دستگیری کرتے
چنتا - تردد، اضطراب
ہرتے - دور کرتے ہیں
وہ - وہ

۲۳۔ جنم کنھیا جی

ریت ۔ رسم و رواج

جنم ۔ زمانہ

بالا ۔ بچہ، طفل

منڈل ۔ مکان

بتھا ۔ رنج و غم

پچھنز ۔ ساعت

اوتار ۔ پیغمبر

سبھ ۔ نیک سعد

گربھ ۔ حمل

نارد من ۔ روشن ضمیر

شسٹ ۔ عالم

ابکار ۔ حرکات، افعال

بل ۔ زور

تیج ۔ رعب

انیک ۔ انواع اقسام

ڈیل ۔ جسم

گج ۔ ہاتھی

ترنگ ۔ گھوڑے

نیکے ۔ عمدہ / اعلیٰ

پاپی ۔ گنہگار

کٹک دل ۔ بیشمار فوج

بھیج ۔ شکل و شباہت

دوجا ۔ دوسرا

بلی ۔ قوی / طاقت ور

بان ۔ تیر

بڑہ بل ۔ مشہور طاقتور

دُشٹ ۔ بدذات شیطان / ظالم

جلالہ ۔ تعلی

موں - مجھ پر
وا - اس
بول - باتیں
گربھ - غرور
سبھا - انجمن
پورکھ - عاقل دانا
مارن ہار - مارنے والا قاتل
مورکھ - شیطان، گنہگار
ہنکار لیا - غرور کرنا تعلی کرنا
بھو - ڈر، خوف
سگرے - سارے
بسرے - زائل ہوئے
مات پتا - ماں باپ
نائن - نام
ریکھا - لکیر
پاچھے - پیچھے، آخر میں
مارگ - چارہ، طریقہ

پھند - جال
نکسن - نکلنے
رسوئی - طعام کھانے پکانے کا مکاں
دوار - دروازہ
ہارے - والے
وا - وہ
چنڈال - بدذات شیطان
پرگھٹ - پیدائش
اجالی - روشنی
گھیر - جمع کرنا
باشی - باشندے
دیا - عنایت
حال - فوراً
کرم - قسمت
مکھ - منہ
ایشر - خدا
سانکر یا سانکل - زنجیر، دروازہ کی کنڈی

نربھو - بےخوف
تپتا - اضطراب، مصیبت
پگ - پاؤں
براجے - پہنچے، رونق افروز ہوئے
اجیالی - اجالا
دیوے - چراغ
اچنبھا - عجیب بات
بھور - صبح
لجیایا - شرمایا
کارج - کام
ناری - عورت

بچا - زچا
بلہاری - تصدق، نثار
نیگ - حق
ببو - بہن
تھارے - تمہارے
بڑا بھاگی - خوش قسمت
موپر - مجھ پر
کرپا - نوازش
باگے - وہ جوڑے جو مرد کو دئے جائیں
لوگ لگائی - مرد عورت
پرچاتے - خوش رکھتے

۲۴ - بانسری

مرلی - بانسری
پیت - محبت
بیاکلی - اضطراب، بے چینی

کوڑرا - کند ذہن
گنی - عاقل
کانھہ جی - کنہیا جی

گوالوں - چرواہوں
گوئیں - گائیں
بنسی - بانسری
پنچھی بٹوھی - چڑیوں کے نام ہیں

شیام جی - کرشن جی
مرلی - بانسری
موہن - پیارے
چتن - طریقے، ڈھب
بچن - وردو
چل پون - پاؤں چلنے والا

۲۵- آگرہ کی تیراکی

پیرنے - تیرنے
رت - موسم
سیانے - سمجھدار، جوان
دل لگن - دلچسپی
بستار - کرتب
کرارے - کنارے
بجرے - کشتی

ناؤ - بڑی کشتی
چپو - کشتی
ڈونگے - سیر تفریح کی کشتی
بیڑے - ایک قسم کی لمبی کشتی
نواڑے - چھوٹی کشتی
سومنا - پھولوں کا گجرا
ستھیلرے - گزارہ

۲۶- موسمِ زمستان

چلا ۔ چلے کا جاڑا، سخت سردی
مہاوٹ ۔ ماگھ کی بارش
باؤ ۔ ہوا

نیمہ ۔ نیم آستین
جان ۔ معشوقہ، نازنین
چھب ۔ طرحداری

۲۷- اومس

اومس ۔ سڑی گرمی
ہٹا ۔ سراسر
تاؤ ۔ غصہ

بدلی ۔ بادل
آٹین ۔ بھریں ایڑ کریں
آدھن ۔ کھولتا ہوا پانی

۲۸- کورا برتن

کھنکی ۔ پڑی، گری جس سے آواز پیدا ہوئی

[illegible] ۔ شکست
گولی ۔ تڑاشکا

مول - قیمت
ٹھٹولیاں - مذاق
کھڑکھوٹا - فاسد خیالات کا ہجوم

عالم میں حسین، پرجمال
گٹ ہتھے - بناتے
جوبن - حسن
جوجھرے - پرانے، استعمال شدہ

۲۹- کوا اور ہرن کا بچہ

لگا - بہلا پھسلا
حذر - ڈر، پرہیز
بدسگال - بدمعاش، بدوضع

لپیٹ - زمین سے مل کر
جھپالٹ - فوراً، جلدی سے
چینا - چاہا، سوچا

۳۰- خواب کا طلسم

کڑی کڑی - بے غل و غش، بکثرت
کھان - کان
جڑات - جڑاؤ
ہڑبیڑی - گھبراہٹ، ہیجان، اضطراب

لوٹ پوٹ - بے قابو، بے تاب
بناؤ - سنگھار، آرائش
بھرن - بوچھاڑ، جھڑی
دھڑی - بیس سیر، کثیر

۳۱- ریچھ کا بچہ

سونٹا۔ ڈنڈا۔
جھولنا۔ جھولی
ڈُر۔ موتی، بندے
چیق چیخ، ہاتھی کی آواز
ڈکاریں۔ آوازِ شتر

جنگلے۔ جنگل
سدھایا۔ رام کیا
ڈھپلی۔ ڈفلی
کہروا۔ ایک قسم کا ناچ
سحر۔ جادو

۳۲- راکھی

راکھی۔ ایک قسم کا اون اور
سنہری پھولوں کا ہار جو
سلونوں کے دن باندھا جاتا ہے

باہمن۔ برہمن
دوالی۔ دیوالی
قشقہ۔ ٹیکا۔

۳۳- سخاوت و عشرت

تن زیب۔ ایک قسم کا باریک کپڑا
تن سکھ۔ ایک قسم کا کپڑا

پاپی ۔ کنجوس بخیل	کٹن ۔ قرمساق، دیوث
داتا ۔ سخی ۔	خالصہ ۔ کورٹ
ڈنکا ۔ شہرہ ۔	ڈل ۔ نقدی، زر
من مانتا ۔ خاطر خواہ	اَنُ ۔ کھانا، رزق

۳۴۔ چاندنی رات

ھلوریں ۔ موجیں مارنا، ہچکولے لینا۔	فرار ۔ غائب
گجر ۔ صبح کا مسلسل گھنٹہ	ھک نہ دھک ۔ بے شان وگمان
دوچار ۔ بے حجاب	جیون میں ۔ طبیعتوں میں

۳۵۔ ھولی

خورسند ۔ خوش	مردنگ ۔ ایک قسم کا ڈھولک
سج دھج ۔ چلبلاپن، سنگھار	جھڑبین ۔ تار کی آواز
سوانگ ۔ کسی کی صورت بنانا	جاگہ ۔ جگہ
موہ لیا ۔ چھین لیا	عبیر ۔ گلال

دھینگا مشتی۔ زبردستی مار دھاڑ کرنا
نوکا جھوکی۔ مذاق، فقرہ بازیان
پُھلون۔ خوشی، شگفتگی
کامینون۔ کامنی، حسین دلربا نازک اندام عورت

۳۶۔ جوگی نامہ

بھبن۔ زینت
ذقن۔ ٹھوڑی
بید۔ ایک درخت کا نام۔
تکلم۔ گفتگو
مُندرے۔ حلقہ
سیلی۔ سیلاب
نمن۔ طرح
بھبوت۔ راکھ
پونگی۔ عام اصطلاح میں اسکو بین کہتے ہین ہین حالانکہ دوسری چیز ہے
ھر۔ خدا
درشن۔ دیدار

سیلی۔ چادر، دوپٹہ
پنتھ۔ گروہ
برن۔ تھوک، جماعت، قبیلہ
گیان۔ خدا کا وقوف، عرفان
رمائی۔ مکی
لنگھن۔ فاقہ
کارن۔ وجہ، سبب
استھل۔ خانقاہ اڈّہ
مگن۔ خوش وخرّم
ان بن۔ جھگڑا۔ اُلجھن
پیتم۔ معشوق۔
انیت۔ جوگیون کی ایک قسم

بندھن۔ رشتہ۔ تعلق
چترن ۔ جسم۔ بدن
کٹھن۔ مشکل۔
لگن ۔ دُھن
اکسیر۔ امرت۔
قدح ۔ پیالہ

نین ۔ آنکھیں
اچپل ۔ شوخ
آسن ۔ نشست
چتر۔ شامیانہ
سنگھاسن چوکی۔ ایک قدیم سواری

۳۷۔ جوگن نامہ

تونبہ۔ کشکول
منکوں ۔ تسبیح کے دانے
چندرمان ۔ چاند۔
پت ۔ شوہر
ساجن۔ معشوق
بیری۔ دشمن۔
کمتی ۔ کمی

مَن ۔ میرے
شہانہ۔ شاہانہ
جلیو۔ جل جائے
متوالا۔ سرشار۔ دیوانہ
گنگ ۔ گنگا
بُہاروں ۔ جھاڑوں ۔صاف کروں
پیا۔ پیارے ۔عاشق

۳۸۔ موتی

بلیسر۔ نتھ۔
نرمون۔ کان کی لو۔
دھگدگی۔ سینے کا ایک زیور

پورا۔ انگلی کا پورا، ٹکڑا
لہنے۔ حصہ
وار دیجیے۔ قربان کیجیے۔ نثار کیجیے

۳۹۔ خمسہ بر غزلِ حافظ

عصیان۔ گناہ
اہلِ تقوی۔ پرہیزگار
پیرِ مغان۔ سالک
عشقِ مجازی۔ دنیا اور اسبابِ دنیا کی محبت

قدس مقام۔ پاک و پاکیزہ، منزّہ
عشقِ حقیقی۔ خدا کی محبت
شنا۔ پیرنا
معدن۔ کان

۴۰۔ اکبر آباد

جہاں تہاں۔ کسی کسی جگہ
عارض۔ رخسار

جعد۔ زلف
نبات۔ مصری

حواشی

(۷) حواشی

۱۔ آگہی نامہ

گنبد ازرق۔ نیلا آسمان۔ مشرقی نجوم اور قدیم فلسفہ کی بنا پر آسمان کو گردش کرنیوالا سمجھا جاتا ہے اور شعرا اس کو گنبد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

لوح قلم عرش۔ اسلامی عقیدہ ہے کہ یہ آسمان جو نظر آتا ہے یہ عرش ہے اس پر ایک جگہ کرسی ہے اور کرسی پر لوح محفوظ ہے جس پر قرآن مجید اور دیگر کتب آسمانی یعنی زبور، توریت انجیل وغیرہ منقوش ہیں۔ جس قلم نے ان کتب کو لوح پر تحریر کیا اسے قلم قدرت کہتے ہیں۔

عالم ارواح۔ وہ مقام جہاں مرنے کے بعد روحوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

عالم جنات۔ وہ مقام جو جنات کا مسکن ہے۔

دارا و سکندر۔ مقدونیہ کے بادشاہ سکندر اعظم نے ایران قدیم پر

حملہ کیا اور وہاں کے آتش پرست بادشاہ دارا سے اسکی جنگ ہوئی۔ جس میں سکندر فتح مند ہوا اور دارا مغلوب۔ نظامی کی مشہور مثنوی سکندر نامہ میں یہ تاریخی فسانہ نہایت وضاحت کے ساتھ مرقوم ہے۔

مجنون لیلی۔ قیس جس کا لقب بعد کو مجنون ہوا عرب کا ضرب المثل عاشق ہے۔ یہ قبیلہ بنی عامر کا ایک فرد اور جناب امام حسن علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ لیلی اس کی معشوقہ نجد کی رہنے والی تھی۔ جس پر یہ بچپن ہی میں مکتب میں عاشق ہو گیا تھا۔ یہ بدنصیب ناکام و نامراد مرا عشاق میں اس کا نام اب بھی نہایت احترام سے لیا جاتا ہے۔

ع قیس سا پھر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں

فرہاد و شیریں۔ ایران کے آتش پرست بادشاہ خسرو نے شیریں نگار ارمنی کی تصویر پر عاشق ہو کر اسے شادی کا پیغام دیا اور وہ اپنے ملک سے شادی کرنے کے لئے ایران آئی۔ شیریں کی ماں نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنے واسطے پہلے محل و باغ و نہر تعمیر کرائے اُسوقت شادی کرنے پر رضامند ہو۔ چنانچہ اس نے اس کی فرمائش خسرو سے کی

خسرو نے فرہاد نامی سنگتراش کو بلا کر حکم دیا کہ بے ستون نامی پہاڑ سے جوئے شیر کاٹ کر لائے ۔ فرہاد شیریں کو دیکھ کر عاشق ہو گیا اور اسی عالم جنون و بدحواسی میں پہاڑ کاٹنا شروع کر دیا ۔ یہ خبر رشک شدہ خسرو کو پہونچی اس نے بدنامی کے خیال سے فرہاد کو خفیہ قتل کرانے کی کوشش کی ۔ یہ کام ایک ایک پیر زن کے سپرد کیا گیا وہ اس مقام پر پہونچی جہاں فرہاد شیریں کے عشق میں مبہوت نہر کاٹ رہا تھا اور اس سے کہا کہ شیریں نے اپنی جان دیدی ۔ دیوانہ عاشق کے لئے یہ تازیانہ کافی تھا ۔ یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی فرہاد نے تیشہ مار کر اپنا کام تمام کر لیا ۔ جب یہ خبر شیریں کو پہونچی فرہاد کا تیر عشق اس کے جگر کے پار ہو گیا ۔ اس کی وفاداری اور صداقت عشق پر دیوانی ہو کر شیریں نے بھی اپنے کو ہلاک کر لیا ۔ فرہاد و شیریں کا وجود اب دنیا میں نہیں لیکن ان کی محبت کا فسانہ اب تک ہمارے تڑپانے کے لئے زندہ ہے ۔

۲ - برسات کی بھارین

مالا تا یہ ما ھے ۔ قدیم فلسفۂ ہندوستان اس کا قائل ہے کہ سب سے نیچے

پانی ہے اسپر ایک مچھلی قائم ہے اور اُس پر ایک گائے
کھڑی ہوئی ہے اور گائے کے ایک سینگ پر دنیا قائم ہے
چنانچہ جب گائے کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو وہ
دوسرا بدلتی ہے اس طرح جو حرکت ہوتی ہے اس کا
نام زلزلہ ہے۔ اس لئے اس محاورے کے یہ معنی
ہیں کہ اوج کے اعلیٰ ترین نقطہ ماہ سے لیکر حضیض کے
پست ترین نقطہ ماہی تک۔

۳۔ بنجارہ نامہ

سیسہ داور اور گولا۔ زمانہ قدیم میں جب غنیم قلعہ پر حملہ کرتا تھا اور خندق کو
پار کرکے دروازہ توڑنے پر آمادہ ہوتا تھا تو قلعہ کے اوپر سے
اس پر بہت سے حملے کئے جاتے تھے منجملہ ان کے گولے
بھی مارے جاتے تھے اور سیسہ بھی پگھلا کر ڈالا جاتا تھا
کہ ان بلاؤں سے مجبور ہو کر پسپا ہو جائے

۴۔ عاشق نامہ

ساوھر۔ قدیم ترکی کا نام ہے۔

زانگ۔ زنگبار افریقہ میں ایک ملک کا نام ہے۔

بُرج۔ ~~قدیم اسلامی نجوم کے مطابق آسمان کے بارہ برج ہیں~~
جن کے نام یہ ہیں حمل، حوت، دلو، جدی، قوس، عقرب، میزان، سنبلہ، اسد، سرطان، جوزا، ثور،

۵۔ آدمی نامہ

ابدال قطب غوث ولی } یہ تصوف کی اصطلاحیں اور مدارج عرفان کے نام ہیں ابدال سب سے بڑے عارف کو کہتے ہیں اور یہ دنیا میں صرف چالیس ہوتے ہیں۔ غوث کا رتبہ ابدال سے کم ہے اور یہ بہت ہو سکتے ہیں۔ قطب کا مرتبہ غوث سے کم ہے لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ تو سب مدارج

عرفان اور تصوف کے عہدے ہیں، لیکن ولی کا مرتبہ
بہت بلند ہوتا ہے۔ ولایت عہدوں کے سلسلہ میں شامل
نہیں لیکن فی نفسہ اعلیٰ ترین درجہ فقر و تصوف ہے۔

فرعون۔ فراعنہ کے خاندان نے عرصۂ دراز تک قدیم مصر پر حکومت
کی ہے فرعون کسی فرد واحد کا نام نہیں بلکہ ایک خاندان کا
لقب ہے اس خاندان کی لاشیں ممی بنی ہوئی اب تک
مصر کے میناروں اور حفریات سے برآمد ہوتی ہیں۔
حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جو فرعون بادشاہ تھا اس کا
نام جیپوپس تھا اسے نجومیوں نے خبر دی کہ تو موسیٰؑ کے
ہاتھ سے جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا مارا جائے گا۔
چنانچہ بنی اسرائیل میں جتنے بچے پیدا ہوتے تھے فرعون
انہیں قتل کراتا تھا جب موسیٰ پیدا ہوئے تو انکی ماں نے
فرعون کے ڈر سے انہیں ایک صندوق میں بند کر کے ایک
دریا میں چھوڑ دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو فرعون کی زوجہ آسیا
نے اپنے باغ سے صندوق کو دریا میں بہتا دیکھکر نکلوا لیا۔
آسیا کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے موسیٰ کو مثل اپنی
اولاد کے پرورش کیا جب موسیٰ بڑے ہو کر پیغمبر ہوئے تو

فرعون کو ہدایت فرمائی اور تلقین دین حق کرنی چاہی۔
فرعون نے قبول نہ کیا اور بڑے بڑے ساحروں سے
حضرت موسیٰ کے مقابلے کرائے۔ آپ نے سب کو اپنے
عصا کے ذریعہ سے شکست دی۔ آخرکار فرعون سے جنگ
کی نوبت آئی۔ بہت سی مرتبہ حضرت موسیٰ ہارے لیکن
آخر کار غضب الٰہی فرعون اور اسکی فوج پر نازل ہوا اور
دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کو دو معجزے
خداوند تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے ایک تو ید بیضا یعنی
آپکی کف دست مثل ماہتاب کے چمکتی تھی دوسرا عصا
یعنی جب اپنی لکڑی کو زمین پر ڈالدیتے تھے تو سانپ کی
شکل اختیار کر لیتی تھی۔

شداد۔ کہتے ہیں کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدّاد اور شدید اور یہ
دونوں بادشاہ تھے۔ جب شدید مرگیا تو شدّاد سب
سب ملکوں کا بادشاہ ہوا اور بہت سے بادشاہوں نے
اسکی اطاعت اختیار کی۔ اس کا غرور یہانتک بڑھا کہ
خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد کو
اسکی ہدایت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر تو ایمان

لائیگا تو خدا تجھکو بہشت عطا کریگا۔ اس نے پوچھا بہشت
کیا ہے، حضرت داؤد نے بہشت کے محاسن اسکے سامنے
بیان کئے۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا تو میں خود بنوا سکتا
ہوں۔ چنانچہ اس نے سرزمین یمن میں ایک بہشت تعمیر
کرایا جس کا نام ارم رکھا۔ جسوقت وہ بنکر تیار ہوا اور شدّاد
اس میں جانے لگا تو ملک الموت نے اسکی روح قبض
کرلی اور واصل جہنم ہوا۔

نمرود۔ اپنے زمانہ کا بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے حضرت ابراہیمؑ
اسی کے زمانہ میں تھے انکا چچا آذر بت تراش اور بت پرست
تھا۔ حضرت ابراہیم کو اس مذہب سے نفرت تھی۔ آخرکار
نمرود نے ایک بہت بڑی آگ روشن کرا کے حضرت ابراہیمؑ
کو منجنیق میں رکھکر اس میں پھکوایا۔ اس دوران میں تمام
آسمانی فرشتے ایک ایک کر کے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور ہمدردی کرنی چاہی لیکن آپنے ہر ایک کی
مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کی مدد کے منتظر رہے۔
جسوقت آپ کو آگ میں پھینکا گیا خداوند تعالیٰ نے
آگ کو سرد ہو جانے کا حکم دیا آگ سرد ہو گئی۔ اور حضرت

ابراہیم کو اس سے کوئی گزند نہ پھونچی۔

کلمہ - لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ۔ یہ مسلمانون کے اعتقاد کا پہلا سبق اور جزو اعظم ہے۔

۷۔ روضۂ تاجگنج

دو مرقدین - ممتاز محل اور شاہجہاں کی قبرین اس کے اندر ہیں لیکن درمیان میں ممتاز محل کی ہے اسلئے کہ صرف اسی کے لئے یہ مقبرہ تعمیر کرایا گیا تھا شاہجہان کی وفات کے بعد اورنگزیب نے شاہجہان کو بھی اسی میں ایک طرف دفن کرایا اور دوسرا تاجگنج بنوانا فضول خرچی سمجھکر اس سے قطعی انکار کردیا۔

خط طغریٰ - بہت سی قسم کے خط ہیں مثلاً خط نستعلیق، خط ثلث، خط گلزار وغیرہ وغیرہ منجملہ ان کے خط طغریٰ بھی ہے۔ تاجگنج کے دروازہ پر یہی خط لکھا ہوا ہے۔

بُرج لبسی - تسبیح خانہ کے قریب دریا کے کنارے جو برج ہے اسکو برج لبسی کہتے ہیں۔

تاجدار شاہجہان - مشہور ہے کہ ممتاز محل کے بعد شاہجہان نے خواب

دیکھا کہ ممتاز محل اس سے ایک فرمائش کر رہی ہے کہ اسکا مقبرہ ایسا بے عدیل بنوایا جائے جسکی مثال ونظیر دنیا میں کہیں نہ ہو۔ اس عالم خواب میں شاہجہان نے وعدہ کرلیا۔ اس خواب کو دیکھے جب کئی روز ہوگئے تو ایک فقیر دربار میں آیا اور کہا کہ بابا بی بی کی وصیت بھول گیا! شاہجہان نے کہا سائیں جی بھولا تو نہیں لیکن اس پریشانی میں ہوں کہ نقشہ کہاں سے لاؤں۔ فقیر نے یہ سنکر ایک ٹھیکری اسکے ہاتھ میں دیدی اور کہا کہ اس نقشہ کا بنوادے یہ کہکر غائب ہو گیا۔ مشہور ہے کہ وہ فقیر فرشتہ تھا اور ممتاز محل کے مکان بہشتی کا نقشہ شاہجہاں کو دیکر غایب ہو گیا۔ چونکہ بہشت کے نقشہ پر بنا ہے اس لئے تاج میں یہ دلفریبی ہے

۹۔ ذکر مرغان

کن فیکون ۔ یہ عربی کا فقرہ قرآن مجید میں ہے اسکے معنی یہ ہیں "ہو جا پس ہو گیا" اسلام کی کتاب آسمانی یعنی قرآن مجید میں ذکر ہے کہ خداوند عالم نے کائنات کو لفظ کن کہکر پیدا کیا اور

فوراً تمام کائنات وجود میں آگئی۔

۱۰۔ فنا نامہ

گوھر۔ شہزادہ علی گوہر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بعد کو شاہ عالم کے نام سے بادشاہ ہوا۔

ماھے مراتب۔ اعزازی نشانات۔ یہ انگریزی "کورٹ آف آرمس" کا مرادف ہے۔

جم۔ ایران قدیم کے مشہور بادشاہ جمشید کے نام کا مخفف ہے۔ یہ آتش پرست تھا اور اسی نے جام جمشید بنوایا تھا۔

اکبر۔ خاندان مغلیہ کا مشہور و معروف شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر۔

نوشیرواں۔ ایران قدیم کا بادشاہ تھا، اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے ضرب المثل ہے، اسکا مذہب آتش پرستی تھا۔

راج بنسی۔ راجپوت، راجہ کے خاندان کا۔

چتوڑگڈھ۔ ریاست اودے پور میں ایک مقام ہے جہاں ایک قدیم قلعہ بنا ہوا ہے، یہاں راجپوت راجاؤں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے جو غایت شرافت سے اپنے آپ کو آفتاب

نسب خیال کرتا ہے اور سورج بنسی کے لقب سے ملقب ہے۔ اس خاندان کے راجہ اپنے تئیں رام چندر کی اولاد جانتے ہیں، سب سے پہلے چتوڑ گڑھ پر مامون نے حملہ کیا مگر اس کا حملہ ناکام رہا، علاء الدین خلجی نے حملہ کر کے اس پر فتح حاصل کی، اس فتح کے بیسیوں قصے بن گئے انہی میں آلا اودل بھی ہے، دوسری فتح اکبر نے حاصل کی۔

ستارا۔ ستارا وہ جگہ ہے جہاں رام راجہ قلعہ جنجی سے بھاگ کر قلعہ بند ہوا مگر اورنگ زیب نے ۱۷۰۰ء میں بذات خاص اس کا محاصرہ کر کے چوتھے ہی مہینہ فتح کر لیا تاریخ فتح ستارہ اپریل ۱۷۰۰ء ہے۔

کالنجر۔ بندیلکھنڈ کا ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ ہے جس کے محاصرہ میں شیر شاہ کی جان گئی۔

پنجہزاری۔ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں پنجہزاری ایک منصب تھا۔

امیر خان۔ امیر خان محمد شاہ رنگیلے کا مصاحب تھا اور بادشاہ کا بہت ہی منہ چڑھا تھا۔

ذوالفقار خان۔ ذوالفقار خان اورنگ زیب کا سپہ سالار تھا سنہ ۱۶۹۸ء میں قلعہ جنجی اس کے ہاتھ سے فتح ہوا۔

صلابت خان - دلی میں صلابت خان کا باغ شہر سے باہر جہاں دلی میں واقع ہے

ہانسی - مشہور تاریخی مقام ہے
حصار - مشہور تاریخی مقام ہے
ٹھٹھہ - مشہور تاریخی مقام ہے
} یہ سب پنجاب میں ہیں۔

شہنواز خان - یہ ناصر جنگ والی ریاست حیدر آباد کا مدار المہام تھا۔

سرفراز خان - سرفراز خان شجاع الدین کا بیٹا اور مرشد قلی خان کا پوتا
تھا۔ سنہ ۱۷۳۹ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ نادر شاہ کا حملہ
اسی کے زمانہ میں ہوا۔ جب نادر شاہ چلا گیا تو علی وردی خان
صوبہ دار بہار نے محمد شاہ کے وزیر کو کچھ دے کر بنگال
کی صوبہ داری حاصل کر لی۔ سنہ ۴۰ کو مرشد آباد کے نزدیک [illegible]
سرفراز خان گولی سے مارا گیا۔ علی وردی خان اس کی جگہ تخت
پر بیٹھا اور خطبہ سکہ جاری کیا اور سب خزانہ دلی کو ایک
کروڑ زر نقد اور ستر لاکھ کے جواہرات بطور نذر روانہ کئے۔

عیسیٰ - عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے
مسلمان اور عیسائی دونوں انکو پیغمبر سمجھتے ہیں۔ ان کا
معجزہ یہ تھا کہ مردوں کو جلا دیتے تھے اس لئے ان کا لقب
روح اللہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو صلیب پر

چڑھادیا گیا لیکن مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ اِن کو خداوند عالم نے زندہ اوٹھا لیا اور اب چوتھے آسمان پر مقیم ہیں۔ حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے ہمراہ پھر دنیا میں تشریف لائینگے۔

لقمان۔ لقمان زمانۂ قدیم کا ایک بہت بڑا حکیم اور فلسفی گذرا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا اور ۵۷۰ قبل مسیح میں اس نے کریسس نامی بادشاہ کی خواہش سے شہرِ سارڈس میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ڈلفی کے باشندوں نے اس پر پیالہ چرانے کا جھوٹا الزام لگاکر اس کو ٹیلے سے سر کے بل نیچے گراکر ہلاک کرڈالا لقمان بڑا نیک کردار اور مرتاض شخص تھا اس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے مصائب اُٹھائے۔ سبق آموز حکایات کا ایک مجموعہ اسکی یادگار ہے اور اُسکی اہمیت اس سے معلوم ہوسکتی ہے کہ سقراط نے اپنی زہر خورانی کے بعد اپنی حیات کے باقی چند گھنٹے جیل خانہ میں اسی کتاب کے مطالعہ میں گزارے تھے۔ اہل اسلام اس کو نبی کا درجہ دینے کے لئے تیار ہیں۔

فلاطون۔ یونان قدیم کا ایک بڑا حکیم اور مہتم بالشان فلسفی تھا، یہ سقراط کے ارشد تلامذہ میں تھا اور قدیم فلسفہ کا موجد اور

اُستادالاساتذہ سمجھا جاتا ہے۔

نانک۔ گرونانک سکھ مذہب کے موجد ہیں اسلئے سکھوں کے بہت بڑے پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا وطن پنجاب تھا اور یہ اورنگ زیب کے معاصر تھے۔

کبیر۔ یہ پنجاب کے بہت بڑے برگزیدہ بزرگ اور عارف شاعر گزرے ہیں۔ اِن کے اشعار اب ضرب المثل کا کام دیتے ہیں۔ دوہے، مثالوں اور کہاوتوں کے طور پر زبان زدِ خلائق ہیں۔ اِن کا مذہب کسی کو معلوم نہیں، زندگی میں ہر فرقہ انہیں اپنے مذہب کا سمجھتا تھا جب انتقال ہوا تو لاش پر ہندو مسلمانوں نے جھگڑا کیا اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کرنی چاہی جب چادر اُٹھا کر دیکھی تو لاش غائب تھی صرف کچھ پھول ہاتھ آئے جو نصف ہندؤں نے لیکر پھونک دئے اور نصف مسلمانوں نے لے کر دفن کر دئے اِن کا کلام تصوف کے رنگ میں ہے اور محبت کی تلقین کرتا ہے۔ رابندرا ناتھ ٹیگور نے اِس کا کچھ حصہ انگریزی میں ترجمہ کرکے شایع کرایا ہے۔

۱۳- بڑھاپا

یوسف ثانی - حضرت یوسف علیہ السلام بنی اسرائیل کے بڑے مشہور اور برگزیدہ پیغمبر اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادہ تھے حسن و جمال میں اب تک انکا ثانی کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے حسینان عالم کو یوسف کے حسن سے تشبیہہ دی جاتی ہے - حضرت یعقوب ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس لئے انکے بھائیوں نے ان کو کنوین میں ڈھکیل دیا، خدا کی قدرت سے وہاں ان کو کوئی گزند نہ پہونچی اور ایک شخص نے باہر نکال لیا اور اپنا غلام بنایا - آخر کار یہ مصر میں فروخت ہوئے عزیز مصر کی زوجہ زلیخا ان پہ عاشق ہوگئی جس کے دام فریب سے یہ بمشکل اپنے کو محفوظ رکھ سکے - عرصہ دراز تک یہ مصر کے محبس میں قید رہے لیکن آخر کار مصر کے بادشاہ ہوئے - ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ ملا جامی نے اپنی مشہور مثنوی یوسف زلیخا میں لکھا ہے -

خضر - حضرت خضر علیہ السلام اسلام کے بڑے جلیل القدر پیغمبر اور

انبیاے اوالعزم میں سے ہیں۔ ان کا علم زبردست اور وسیع ہے یہانتک کہ حضرت موسیٰ کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت ہوئی تھی۔ یہ اب تک زندہ سمجھے جاتے ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے لیکن عوام کی نظروں سے نہاں ہیں بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا ان کا کام ہے اور عالم آب خصوصاً انکی حکومت میں سمجھا جاتا ہے۔

۱۶۔ کلجگ

کلجگ ۔ ہندو فلسفہ نے دنیا کی عمر چار حصوں میں تقسیم کی ہے ست یگ، ترتیا، دوآپر، اور کل یگ۔ ست یگ بہترین زمانہ تھا۔ ترتیا اور دوآپر درمیانی لیکن کل یگ (کل جگ) جو آجکل ہے بدترین زمانہ ہے۔ ہر زمانہ کی مدت بہت وسیع ہے جس کا صحیح حساب بتانا بہت مشکل ہے۔

۱۷۔ مُفلِسی

گوری } یہ دونوں راگنیوں کے نام ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے
بھیاس } کہ نظیر علم موسیقی اور اس کی اصطلاحوں سے خوب واقف تھے۔

۱۸۔ معجزہ حضرت علی علیہ السلام

علی۔ حضرت علی علیہ السلام اسلام کے وہ رکن اعظم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دعوت اسلام تیرہ سال کی عمر میں قبول کی۔ آپ جناب سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور اُن جناب کے داماد تھے اسلام کی جڑ آپ کی ذات سے جمی اور ابتدا کی تمام لڑائیاں مثل بدر، خیبر، خندق وغیرہ سب محض آپکی ذات سے فتح ہوئیں۔ اہل تشیع آپ کو آنحضرت کے بعد وصی رسول اور خلیفہ برحق جانتے ہیں۔ لیکن اہل تسنن چوتھا خلیفہ سمجھتے ہیں۔ نوروز کے دن آپ کو کوفہ میں ظاہری

خلافت ملی اس لئے اور موسمی تیوہار ہونے کی وجہ سے بھی
ایران میں نوروز منایا جاتا ہے۔
اہلِ تصوف کے آپ سب سے بڑے پیشوا ہیں اور یہ فرقہ آپ کو
سرچشمۂ ولایت و تصوف گردانتا ہے۔

نجف اشرف ۔ حضرت مولا علی علیہ السلام کی قبرِ اطہر نجف اشرف میں ہے
جو عراق عرب کا ایک مشہور شہر ہے۔

حیدر و صفدر ۔ حضرت علی علیہ السلام نے عہدِ طفولیت میں ایک اژدہا
چیر کر پھینک دیا تھا اس لئے آپ کا لقب حیدر ہوا اور
چونکہ آپ ایسے شجاع یکتا تھے کہ تن تنہا صفوں کے منہ پھیر
دیتے تھے اس لئے صفدر مشہور ہوئے۔

صاحب قنبر ۔ حضرت قنبر حضرت مولا علی کے خادم اور دو الجناہ کے
سائیس تھے اسلام میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے اور بڑے
جلیل القدر بزرگ سمجھے جاتے ہیں حضرت علی علیہ السلام
چونکہ قنبر کے آقا تھے اس لئے آپ کو صاحب قنبر بھی کنایۃً
کہا جاتا ہے۔

شریف ۔ نجف اشرف کے ملکی حاکم کو شریف کہتے ہیں۔

۱۹ - دِوالی

دوالی۔ دوالی اہل ہنود کا نہایت لطیف تیوہار ہے۔ آب و ہوا پر اسکا خصوصاً نہایت اچھا اثر پڑتا ہے مکانوں کی صفائی لازمی طور پر کرائی جاتی ہے، شب کو چراغان کیا جاتا ہے اور سیروں بلکہ منوں گھی اور خوشبو دار مصالح بخورات کے لئے جلا دئے جاتے ہیں جس سے ہوا نہایت صاف اور صحت پرور ہو جاتی ہے کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں جبکہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن کا شباب تھا یہاں کے مصور لڑکے اور لڑکیاں دوالی کے روز اپنی صنعتوں کے نمونے عوام کے سامنے پیش کرتے تھے اور بہترین تصویر کو انعام دیا جاتا تھا۔ یہ بات تو اب مفقود ہو گئی ہے لیکن تصویروں کی نمائشیں اب بھی ہوتی ہے کاش ہندوستان کا وہ عہد زریں پھر واپس آجائے اور اسی طرح آرٹ کی نمائش پھر ہونے لگے۔ دوالی کے دن لکشمی کی جو ہندو علم الاصنام میں دولت کی دیوی سمجھی جاتی ہے پرستش ہوتی ہے۔

۲۰۔ حضرت سلیم چشتی

حضرت سلیم چشتی۔ شیخ سلیم بن بہاؤالدین چشتی فتحپور سیکری میں دفن ہیں اور ۲۹ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ جہانگیر آپ ہی کی دعا کی برکت سے پیدا ہوا تھا اس وجہ سے اکبر کو آپ سے خاص عقیدت تھی۔ آپ فریدی ہیں اور حضرت بابا فرید کی اولاد سے ہیں۔

فغفور۔ چین کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے۔

خاقان۔ یہ بھی چین کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے

سلیمان۔ حضرت سلیمان بن داؤد بہت بڑے پیغمبر اور جملہ خلائق کے بادشاہ تھے آپ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر کچھ اسمار الٰہی کندہ تھے۔ اسکی وجہ سے تمام خلائق آپ کے زیر فرمان تھی۔ آپ کا تخت بساط سلیمان ہمیشہ ہوا پر اُڑا کرتا تھا۔ آصف بن برخیا جو قوم جن سے تھے آپ کے وزیر اعظم تھے۔ سبا کی شاہزادی بلقیس کے حسن و جمال، تہذیب و شائستگی کا قصہ حضرت سلیمان نے ہدہد سے سن کر

اس شاہزادی کو اپنی یہاں دعوت دی تھی۔ یہ شاہزادی خود بھی نہایت دولتمند اور بڑی جلیل القدر ملکہ تھی۔ حضرت سلیمان کی بلقیس سے ملاقات ایک نہایت دلچسپ تاریخی فسانہ ہے۔ آخر کار بلقیس نے ایمان قبول کیا اور حضرت سلیمان ؑ کی زوجیت میں داخل ہوئی۔

۲۲۔ نانک شاہ گرو

واہ گرو واہ گرو، بابا نانک شاہ گرو کی تعریف کا فقرہ اور سکھوں کی قومی صدا ہے۔

۲۳۔ جنم کنہیا جی

کنس۔ کنس متھرا کا راجہ اور نہایت ظالم و بدکردار شخص تھا اسکے اطوار راون کے سے تھے۔ یہ کرشن جی کا ماموں تھا۔ آخر کار کرشن جی کے ہاتھ سے مارا گیا کنس اور کرشن کا قصہ بالکل فرعون اور موسیٰ کا سا ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں

اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مشابہت نہایت پر لطف اور بار آور نکتہ ہے۔

بسدیو۔ کرشن جی کے باپ کا نام ہے۔

دیوکی۔ کرشن جی کی ماں کا نام ہے۔

روھنی۔ ایک نچھتر کا نام ہے یعنی یہ اس ساعت سعد و نیک کا نام ہے جس میں کرشن جی پیدا ہوئے۔

گوکل۔ اہل ہنود کا ایک مقدس مقام ہے جو متھرا کے نزدیک ہے یہ بہت بڑی تیرتھ کی جگہ ہے۔ کرشن جی کا بچپن اسی مقام پر گذرا۔

نند۔ اس شخص کا نام جس نے کرشن جی کی بطور باپ کے پرورش کی اس لئے اس کو رضاعی باپ سمجھنا چاہئیے۔

جسودا۔ نند کی زوجہ کا نام ہے یہ کرشن جی کی رضاعی ماں ہوئیں

ددکاند ے۔ اہل ہنود کی ایک قدیم رسم کا نام ہے۔ یہ اُسوقت کی جاتی ہے جب بچہ پہلی مرتبہ پاخانہ پھرتا ہے۔ دھی اور زعفران ملا کر بچہ کا مصنوعی پاخانہ بنایا جاتا ہے اور کورے مٹی کے برتنوں میں دودھ بھروا کر رکھوایا جاتا ہے اور اس میں ہلدی پیسکر ملا دی جاتی ہے تاکہ اس کا رنگ زرد ہو جائے۔ پھر

اس دودھ کو تمام اہل خانہ غالباً ایک دوسرے پر چھڑکتے ہیں۔

۲۴- بانسری

رادھے - رادھا کرشن جی کی معشوقہ کا نام ہے۔

۲۵- آگرہ کی تیراکی

جھرنا - تاجگنج سے ٹونڈلہ تک تیر کر جاتے ہوئے درمیان میں ایک مقام پڑتا ہے جس کو جھرنا کہتے ہیں۔ وہاں ایک پل بنا ہوا ہے جسے جھرنے کا پل کہتے ہیں۔

سبھا کا پیالہ - سبھا کسی اُستاد تیراک کی لڑکی اور قوم کی ساقن تھی۔ اسکو تیرنے کا بڑا شوق تھا، تو جمنا جی کے میلہ میں سبھا حقہ لے کر جاتی تھی اور تیرنے کی حالت میں انھیں حقہ پلاتی جاتی تھی۔ اسکے مرنے کے بعد تیراکوں نے اس کی یادگار میں ایک میلہ قائم کیا جس کا نام پیالہ رکھا۔ سبھا کا انتقال چونکہ

نوچندی جمعرات سے دو روز پیشتر یعنی منگل کو ہوا تھا اس لئے
یہ میلہ ہمیشہ منگل کو ہوتا ہے جس مقام پر پہلے پہل سہجا کی
فاتحہ خوانی تیراکوں نے کی تھی وہ مقام اب سہجا کے نام سے
مشہور ہے اور سہجا مائی کا پیالہ کہلاتا ہے۔ شہباز کی رائے ہے
کہ سہجا کسی امیر عورت کا نام تھا اور اس کا کوئی نالہ ہے۔ یہ
قطعی غلط معلوم ہوتا ہے۔

چھتری۔ سہجا کے پیالے سے تھوڑی دور لب دریا ایک برج بنا
ہوا ہے جسے چھتری کہتے ہیں۔ یہ آگرہ کے کسی قدیمی
سیٹھ نے جس کا نام جسونت تھا بنوائی ہے۔ اس مقام پر
غالباً کوئی مندر یا معبد بنوانے کا اس کا قصد تھا جو کسی
وجہ سے مکمل نہ ہو سکا لیکن یہ چھتری اب تک موجود ہے

برج خونی۔ آج کل یہ برج دریا کنارہ کی سڑک پر واقع ہے۔ کسی
زمانہ میں یہاں سڑک نہ تھی بلکہ دریا اس سے ٹکر آتا تھا۔
یہاں پانی اس قدر عمیق اور خطرناک تھا کہ اکثر اناڑی
تیراک ڈوب جایا کرتے تھے اس لئے اس کا نام خونی
برج مشہور ہو گیا۔

دادا کا چونترا۔ سید کے باغ اور آرام باغ کے درمیان شکستہ شاہی

عمارات کا ایک سلسلہ ہے جس میں سے ایک دالان منہدم ہوکر پانی کے اندر بیٹھ گیا ہے اس دالان کی چھت مثل چبوترے کے ہوگئی ہے جو کبھی پانی کے اندر پوشیدہ اور کبھی نمایاں رہتی ہے۔ ممکن ہے یہاں پہلے دارا کا محل ہو اور اس مقام کو محل منہدم ہو جانے کے بعد دارا کا چوترا کہنے لگے ہوں۔

مھتاب باغ۔ تاجگنج کے سامنے دوسرے کنارے پر ایک برج بنا ہوا ہے اس مقام کو تیراک مہتاب باغ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غالباً کسی زمانہ میں یہاں باغ تھا اور وہ خصوصاً تاجگنج کے تیراکوں کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔

سید۔ جھرنے سے آگے لب دریا ایک قبر ہے جو سید شاہ صوفی کی مشہور ہے۔ سید سے مراد یہ مقام ہے۔ یہ مقام تاجگنج سے براہ آب ۲۵ میل کے فاصلہ پر ہے تیر کر لونڈرے جانیوالے تیراک اس مقام پر دریا سے نکل آتے ہیں اور پھر ریل سے آگرہ واپس آتے ہیں۔

تُلسی۔ تاجگنج اور جھرنے کے درمیان ایک باغیچہ ہے جو سیاچرن کی باغیچی کہلاتا ہے اس میں کوئی تلسی بابا وارہتے تھے

جنہیں تیراکون سے بڑی محبت تھی۔ باوا ان لوگوں کے لئے
بھنگ، تمباکو، چرس، آگ، پانی ہمیشہ مہیا رکھتے تھے،
یہاں پرانے تیراک اکثر جایا کرتے تھے، تلسی باوا کے
مرنے کے بعد ان کی نسل جس پر وہ بھنگ پیا کرتے
تھے بہت مشہور ہوئی۔

باغ حکیم۔ سبحا کے پیالہ اور بلکیشر کے درمیان ایک باغ ہے جو حکیم
کا باغ مشہور ہے یہاں ایک لانبی سفید قبر ہے جو غالباً
کسی شاہی حکیم کی ہے۔ تیراکی کے میلہ کے دن یہاں رقص و
سرود کی محفلیں برپا ہوتی اور تیراک یہاں کچھ دیر قیام
کرتے ہیں۔

شیوداس کا چمن۔ جس مقام پر لب دریا کارخانجات بنے ہوئے ہیں وہاں
کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا باغ تھا جو رائے شیوداس کا
بنایا ہوا تھا یہاں میلہ کے دن رقص و سرود کی محفلیں قائم
ہوتی تھیں۔ اور تیراک یہاں بھی تفریح کے لئے ٹھہرتے تھے
یہ باغ اب موجود نہیں لیکن یہ مقام اب بھی رائے شیوداس کا
چمن کہلاتا ہے جو یقیناً رائے شیوداس کی خرابی ہے۔

۲۸ - کورا برتن

آبِ حیات - مشہور ہے کہ آبِ حیات وہ پانی ہے جس کو پی کر انسان کبھی نہیں مرتا - اس کا چشمہ ظلمات میں ہے - سکندر ذوالقرنین کو اس چشمہ تک پہنچنے کی خواہش ہوئی لیکن کیونکر پہنچ سکتا تھا اسلئے کہ وہ تو نگاہوں سے پوشیدہ ہے آخرِ کار حضرت خضر کی رہبری سے وہاں پہنچا لیکن وہاں عجیب عبرت ناک منظر نظر آیا - دیکھا سینکڑوں آدمی اپاہج بنے پڑے ہیں صرف سانس چل رہا ہے - جب اسکو معلوم ہوا کہ آبِ حیات پی کر یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو اس نے نہ پیا اور واپس چلا آیا -

۲۹ - کوّا اور ہرن کا بچّہ

کوّا اور ہرن - یہ قصہ اصل میں انوار سہیلی میں ہے - میاں نظیر نے خود اعتراف کیا ہے کہ یہ قصہ نثر میں تھا میں نے نظم کیا ہے

۳۴۔ چاندنی رات

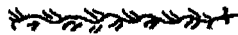
ارم ۔۔۔۔ ارم ایک بہشت کا نام ہے۔ ارم در اصل اس بہشت کا نام ہے جو شداد نے دنیا میں تعمیر کرایا تھا شداد کے واصل جہنم ہونے کے بعد اسکو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

۳۶۔ جوگی نامہ

بندرابن ۔۔ متھرا کے نزدیک ایک مشہور پرستشگاہ اور تیرتھ کا مقام ہے۔

آدم ۔۔۔۔ ۔۔ ابوالبشر حضرت آدم کو خداوند تعالیٰ نے مٹی سے بنایا اور انکی زوجہ حوا کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ ابلیس کو حکم ہوا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرے لیکن اس نے انکار کیا۔ اس لئے اسکو راندہ درگاہ کر دیا گیا اور مردود خلائق قرار پایا اور شیطان کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت آدم کو بہشت میں سوائے گندم کے جملہ میوہ جات
کھانے کا حکم تھا۔ شیطان کی اب یہ کوشش ہوئی کہ
آپ کو کسی طرح گیہوں کھلا سکے۔ پہلے اس نے حضرت حوّا
کو بہکایا اور اُن کے ذریعے اسے حضرت آدمؑ کو گیہوں
کھلانا چاہا۔ لیکن ناکامیاب ہوا۔ کئی ناکامیوں کے
بعد آخر کار ایک مرتبہ شیطان حضرت آدم کو فریب دینے میں
کامیاب ہوا اور اونھیں گیہون کھلا دیا۔ اس ترک اولیٰ
کی بنا پر حضرت آدم اور حوا بہشت سے نکال کر دنیا پر
ڈالدئے گئے اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ مقام پر رکھا گیا
ایک عرصہ کے فراق اور بڑی آہ وزاری کے بعد دونون
کو ایک دوسرے کی ملاقات نصیب ہوئی۔ بنی نوع
انسان ان ہی کی نسل سے ہے۔



۳۷۔ جوگن نامہ

کاشی . . . . بنارس کا قدیم نام ہے۔ یہ اہل ہنود کا بڑا مقدس شہر، پرستشگاہ اور تیرتھ ہے، یہ زمانہ قدیم میں بہت بڑا دارالعلوم تھا۔ اب بھی سنسکرت کے بڑے بڑے علما اور جوتشی یہاں رہتے ہیں۔ اس مقام پر شیخ علی حزین کی قبر ہے۔

دکن . . . . . شاہی زمانہ میں دکن نہایت دور دراز جگہ سمجھی جاتی تھی۔

۳۸۔ موتی

موتی . . . . . موتی، میاں نظیر کی معشوقہ کا نام تھا۔ یہ شہباز کی تحقیق ہے اور غالباً صحیح ہے۔

۴۰۔ اکبرآباد

اکبرآباد۔ آگرہ کا قدیمی نام ہے۔ یہ مقام اکبر کو بہت پسند تھا اور اسی نے اس کو آباد کیا اور اُسی زمانہ سے اس کا نام اکبرآباد پڑا۔ پُرانا آگرہ جمنا کے بائیں کنارہ پر ہے اور اب صرف ایک محلہ کی حیثیت رکھتا ہے، کوئی جانتا بھی نہیں کہ اکبر کے بسانے سے پیشتر آگرہ اسطرف آباد تھا۔

عنوانات کا انڈکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنوانات کا انڈکس

خاتمہ

گذارش

طباعت سنگی میں بقول مولانا نیاز صحت کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا نبوت کا دعویٰ کرنا۔ بسا اوقات شرمناک غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا کوئی چارہ نہیں۔ حضرت اکبرؔ کو شکایت تھی کہ کاتب صاحب "کونسلوں میں سیٹ" کو "گھونسلوں میں بیٹ" لکھ دیتے ہیں۔ اگر ایسی ستم ظریفی کی سنت ادا کرنے والے "روح نظیر" میں واقفیت کو وقفیت، خصوصیات کو خصائص، سہولت کو سہولیت، [illegible] ہمدردی کو لاہمدردی، مقبولیت کو قبولیت کو اور [illegible] کر جائیں تو [illegible] تعجب کی بات نہیں۔ اس لئے براہ عنایت حسب ذیل تصحیح فرما لیجئے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۳	انہماک	انہماک پیدا	۲۳	۱	غیر متنازعہ	غیر متنازعہ فیہ
۴	۱۷	کے	سے	۳۵	۴	تذرو	دلکش
۹	۴	سے	کی	〃	〃	بجور	بحور
۱۱	۱۷	توصل	تواصل	۳۶	۱۴	بے دھڑکی	بے باکی
۱۱	۱۷	مطنون	مطعون	۴۰	۱	بدو	بدوی
۱۲	۷	بیحد و بیشمار	بے حساب و شمار				
۱۲	۱۹	تیقن	یقین	۴۷	۱۴	کبریٰ	صغریٰ
۱۳	۷	اجماع	امتزاج	〃	〃	صغریٰ	کبریٰ
۲۷	۱۰	ان	ان کا	〃	۱۷	اسی	وہی
۲۸	۲	کرایا	کیا	۵۰	۲	موعظہ	موعظت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۶	۵	موعظہ	مواعظ	۱۳۰	۶	تخیل	خیال
[illegible]	۵	مشمول	شامل	۱۳۲	۱۲	کرسے	کورسے
[illegible]	۵	شوکت دار	ہمدوش	۱۴۶	۱	باندھا	باندھتا
۷۱	۱۵	مخلع بالطبع	مخلّے بالطبع	۱۵۰	۹	اجزار	لوازم
۷۵	۶	بسیویں	سرزمین	۱۶۵	۳	سے نہ	نے
۸۲	۱	احسا	احصار	۱۸۸	۱	جواصل	حواصل
۸۶	۵	محتشم	محترم	۲۱۰	۹	پڑا	ٹپرا
۸۶	۱۵	تنازعہ	تنازع	۲۱۴	۳	مو	لہو
۸۷	۱۴	فائق	فائقہ	۳۲۵	۱۰	اس	اس میں
۹۰	۱۰	کے	میں	۳۳۶	۳	چمکدار	چمکیلا
۱۰۱	۱	پردہ چو	آئینہ	۳۵۹	۴	یہ	اس کے بعد
؍؍	۴*	جگو	رہمان	؍؍	۷	اِس	اُس
۱۱۰	۴	الناس	اس	۳۶۴	۹	چیوپس	راسپیس
۱۱۸	۵	احترام	احترام کی	۳۶۹	۵	کورٹ	کوٹ
۱۳۰	۱۴	ضابطہ	ضبط	۳۷۷	۱۱	ذوالجناد	ذوالجناح

شمسی مشین پریس آگرہ

DUE DATE
